رابنسن کروسو

رابنسن کروسو

ڈینیل ڈیفو

تلخیص : م ندیم

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل
حکومت ہند
ویسٹ بلاک-I، آر-کے-پورم، نئی دہلی-110066

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	1978
تیسری طباعت	:	2009
تعداد	:	1100
قیمت	:	-/11 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	782

Robinson Croso

by

Deniel Defo

ISBN :978-81-7587-315-5

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر۔کے۔ پورم، نئی دہلی۔110066

فون نمبر: 26103938، 26103381، 26179657، فیکس: 26108159

ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈس، جامع مسجد، دہلی۔110006

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچوں! میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے کائنات میں نیک و بد کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے اور شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے، یہ سب ہونے کے بعد زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے کسی بھی زبان کا ادب خواہ انگریزی ہو یا سندھی، اردو ہو یا ہندی، ادب کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ہمارا بچوں کا ادب اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ ہماری کتابوں کا مقصد تمہارے دل و دماغ کو روشن کرنا ہے۔ اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات اور نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جن سے تم سبق حاصل کر سکو اور اپنے لئے نئی منزلیں متعین کر سکو۔ یاد رکھو اردو زبان کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھاؤ۔ تاکہ اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں ہمارا ہاتھ بٹا سکو۔ اسی لئے قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے۔ اپنے پیارے بچوں کے ذخیرۂ علم میں اضافہ کرنے کے لئے نئی نئی و دیدہ زیب کتابیں شائع کرتا رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بٹ

ڈائریکٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

پہلا سفر

میرا نام رابنسن کروسو ہے۔ میں سن ۱۶۳۲ء میں یارک شہر میں پیدا ہوا تھا۔ میرا باپ ایک دولت مند تاجر تھا۔ میرے دو بڑے بھائی اور تھے۔ سب سے بڑا بھائی تو فوج میں بھرتی ہوا اور ایک جنگ میں کام آیا، لیکن دوسرے بھائی کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ نہیں معلوم کہ وہ کہاں چلا گیا اور اس نے کون سا پیشہ اختیار کیا۔

چوں کہ میں اپنے باپ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اس لیے میرا بچپن بڑے لاڈ اور پیار میں گزرا۔ میرے باپ نے میری تعلیم کا معقول انتظام کیا تھا، میرے باپ کی خواہش تھی کہ میں پڑھ لکھ کر وکیل بنوں لیکن میرا دل پڑھنے لکھنے میں بالکل بھی نہیں لگتا تھا۔ بہر حال جب میں بڑا ہوا تو میرے دل میں دنیا کی سیر کرنے کی اُمنگ پیدا ہوئی، میرا جی چاہتا تھا کہ میں کسی جہاز کا کپتان بن کر دیس بدیس کی خوب سیر کروں اور دُنیا کے عجائبات دیکھوں۔ میرے ماں باپ کو جب میرے خیالات معلوم ہوئے تو انھوں نے مجھے بہت سمجھایا کہ میں یہ باتیں اپنے ذہن سے نکال ڈالوں اور ان کے کاروبار میں ہاتھ بٹاؤں۔ لیکن میں نے ان کا کہنا نہیں مانا اور وہی کیا جو میں چاہتا تھا۔ اپنے ماں باپ کی نافرمانی کر کے میں نے بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائیں جن کا بیان آگے

•

آئے گا۔

میرے والد ایک تجربہ کار انسان تھے۔ وہ بہت دنوں سے گٹھیا کے مرض میں مبتلا تھے اور بستر پر پڑے ہوئے تھے۔ ایک دن انھوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا:

"میرے پیارے بیٹے! پردیس میں جانے سے تم کو سوائے پریشانیوں اور مصیبتوں کے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ اپنے وطن میں تھوڑی سی محنت کر کے تمھیں دولت اور عزت دونوں مل سکتی ہیں۔ اور تم آرام سے زندگی بسر کر سکتے ہو۔

دُنیا میں دو طرح کے لوگ ہی اپنے وطن کو چھوڑ کر پردیس جانے پر مجبور رہو تے ہیں: ایک تو کنگال جن کو اپنے وطن میں ایک وقت کی روٹی بھی نہیں مل پاتی، دوسرے وہ لوگ جو بہت زیادہ دولت مند ہوتے ہیں اور اپنی دولت سے لوگوں میں مشہور ہونا چاہتے ہیں۔ تم نہ تو بہت مفلس ہو اور نہ بہت دولت مند ہی، بلکہ درمیانی حالت میں ہو، اسی درمیانی حالت میں آدمی کو سکون اور خوشی ملتی ہے اور ہوس کرنے والا انسان نقصان اُٹھاتا ہے۔"

بہت دیر تک میرے والد مجھے سمجھاتے رہے۔ انھوں نے کچھ ایسی شفقت اور محبت بھرے انداز میں مجھے سمجھایا کہ میرا دل بھر آیا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے شفیق باپ کو اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا اور اپنے کاروبار میں خوب دل لگا کر کام کروں گا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد میرا دل اُچاٹ ہو گیا اور دُنیا کی سیر کے لیے مچلنے لگا۔ اس بار میں نے اپنے باپ سے کچھ نہیں کہا اور اپنی ماں سے اپنے دل کا حال بیان کیا اور کہا کہ وہ باپ سے میری سفارش کر دیں اور مجھے سفر کی اجازت دلا دیں۔

امی یہ سن کر بہت ناخوش ہوئیں اور بولیں کہ میں ایسی باتیں کر کے تمہارے بیمار باپ کو ہرگز پریشان نہیں کروں گی۔ لیکن بعد میں میری ماں نے ساری باتیں میرے باپ سے کہہ دیں۔ جو یہ سن کر بہت رنجیدہ ہوئے اور بولے۔

•

"میرے جس بیٹے نے میرا کہا نہ مانا اس نے بہت نقصان اٹھایا اور مصیبتوں میں پڑا۔ میں کسی بھی صورت میں رابنسن کو پردیس جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

اُس دن سے میرا باپ مجھ سے ناراض سا رہنے لگا، اور میں بھی کچھ بددل سا رہنے لگا، اس طرح ایک سال بیت گیا۔

اتفاق سے ایک دن کام کے سلسلے میں، میں ہل شہر گیا، جہاں میری ملاقات اپنے ایک بچپن کے دوست سے ہوگئی، جو اپنے باپ کے جہاز پر لندن جا رہا تھا اس ملاقات نے میرے سفر کے شوق کو پھر تیز کر دیا۔ میرے دوست نے کہا کہ میں اس کے ساتھ بلا کسی خرچ کے ایک لمبا سفر کر سکتا ہوں یعنی مُفت میں لندن کی سیر کر سکتا ہوں۔ میں فوراً تیار ہوگیا اور اپنے ماں باپ سے اجازت لیے بغیر روانہ ہوگیا۔ میں نے انہیں اپنے جانے کی کی اطلاع بھی نہیں دی۔

وہ یکم ستمبر ۱۶۵۱ء کا منحوس دن تھا جب میں جہاز پر سوار ہوا۔ یہاں سے میری مصیبتوں کی داستان شروع ہوتی ہے۔ اس چھوٹی سی عمر میں مَیں نے جیسی سخت مصیبتوں کا سامنا کیا، خدا وہ مصیبتیں کسی دشمن کو بھی نہ دے۔

جب جہاز سمندر میں پہنچا تو ایک طوفان آیا اور سمندر کی موجیں پہاڑ کی مانند اونچی اُٹھنے لگیں۔ چوں کہ میرا سمندر کا یہ پہلا سفر تھا اس لیے ڈر کے مارے میرا بُرا حال ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جہاز اب ڈوبا اور تب۔ میرا سر چکرانے لگا اور بار بار قے ہونے لگی۔ مجھے بار بار یہی خیال آتا تھا کہ میں نے اپنے ماں باپ کی نافرمانی کی ہے اور اسی کی مجھے سزا مل رہی ہے۔ میں روتا تھا اور گڑگڑا کر خدا سے دُعا کرتا تھا کہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے دے، اور یہ کہ اگر اس طوفان سے زندہ بچ گیا تو آئندہ کبھی بھول کر بھی جہاز پر قدم نہیں رکھوں گا، اور ہمیشہ اپنے ماں باپ کی خدمت کروں گا۔

دوسرے دن جب ذرا طوفان تھما اور سمندر میں ٹھہراؤ پیدا ہوگیا تو میری طبیعت

بھی کچھ سنبھل گئی ـــــ ٹھنڈی اور خوش گوار ہوا نے میری گھبراہٹ اور پریشانی کو ختم کر دیا۔ میں تمام رات بہت آرام سے سویا اور صبح بہت خوش خوش اٹھا۔ میں نے دور تک پھیلے ہوئے سمندر کو دیکھا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی ایک دن پہلے والا سمندر ہے۔

میرے دوست نے جب مجھے خوش خوش دیکھا تو مجھے چھیڑا اور کہا:

"یار کل تک تو تمھارا ڈر کے مارے بُرا حال تھا۔ ایسے چھوٹے چھوٹے طوفان اتنے بڑے جہاز کے لیے معمولی باتیں ہیں ، چوں کہ یہ تمھارا سمندر کا پہلا سفر ہے اس لیے تم ڈر رہے ہو۔ خیر فکر مت کرو، سفر کرتے کرتے تم بھی میری طرح نڈر ہو جاؤ گے۔"

اس پر میں نے تعجب سے کہا:

"یار تم اس طوفان کو معمولی بتاتے ہو، میں تو اپنی زندگی سے بھی مایوس ہو گیا تھا۔"

میرا دوست بہت ہنسا اور بولا "تم ابھی اناڑی ہو۔" ہم دونوں نے اس روز بہت عمدہ کھانا کھایا اور خوب گپ شپ کی۔ اس طرح میں نے پچھلی مصیبت کی یاد کو بھلا دیا، ایک ہفتہ بیت گیا۔ میں اب مطمئن تھا، لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ ابھی ایک اور بھی بڑی مصیبت میرا انتظار کر رہی ہے۔

سفر کے ساتویں دن سے ہوا نا موافق چلنے لگی۔ مجبوراً یارمتھ شہر کی بندرگاہ کے قریب جہاز کو لنگر ڈالنا پڑا۔ یہ جگہ جہازوں کے لیے بہت محفوظ تھی۔ اس وقت بھی وہاں تین چار جہاز کھڑے تھے۔ ہوا بڑی تیز ہوتی جا رہی تھی، جہاز کے رسّے بہت مضبوط تھے، اس لیے کپتان اور ملاح مطمئن تھے۔ لیکن جب ہوا بہت تیز ہو گئی تو جہاز کے بادبان اُتار دیے گئے اور ساری کھڑکیاں بند کر دی گئیں۔ اس ہولناک طوفان نے ملاحوں کو پریشان کر دیا۔ وہ اِدھر اُدھر دوڑنے بھاگنے لگے اور جہاز کو بچانے کی تدبیریں کرنے لگے۔

میں اپنے کیبن کے ایک کونے میں بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ پہلے کی طرح یہ طوفان بھی

گزر جائے گا۔ لیکن جب میں نے باہر نکل کر دیکھا تو میں کانپ اُٹھا۔ موجیں پہاڑ کی مانند اونچی اُٹھ رہی تھیں اور جہاز لہروں کے ساتھ بار بار اُٹھتا تھا اور نیچے گرتا تھا۔ ہمارے جہاز سے ذرا فاصلے پر ایک جہاز ڈوب رہا تھا۔ ملّاح کہتے تھے کہ انھوں نے ایسا ہولناک طوفان زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا حالاں کہ ہمارا جہاز بہت مضبوط تھا لیکن اس وقت اس کی حالت سمندر میں ایک تنکے کے مانند ہو رہی تھی۔

آدھی رات کے وقت جہاز کے پچھلے حصّے میں پانی بھرنے لگا اور تھوڑی دیر میں تین ہاتھ پانی بھر گیا۔ سب لوگوں نے مل کر پانی نکالنا شروع کیا۔ خطرے کا اعلان کرنے اور مدد کے لیے جہاز سے توپ چھوڑی گئی۔ اس کی آواز سن کر ایک جہاز نے ہماری مدد کے لیے کشتی بھیج دی لیکن طوفان میں اُس کشتی کا ہمارے جہاز تک پہنچنا اور پانی میں ٹھہرنا مشکل تھا۔ جیسے تیسے کر کے وہ ہمارے قریب آ گئی تو رسّوں کی مدد سے ہم لوگ کشتی پر چڑھ گئے۔ اور بڑی پریشانیوں کے بعد کنارے پر پہنچے۔ اس دوران ہمارا جہاز ڈوب چکا تھا

لٹیروں کی قید میں

بارمتھ شہر کے لوگوں نے ہماری بہت مدد کی۔ ہمیں ٹھہرنے کو جگہ دی، کھانا دیا، اور ہم مصیبت کے ماروں کے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آئے یہی نہیں ان لوگوں نے مسافروں کو ہل شہر اور لندن تک کا کرایہ بھی دیا۔ میری یہ بدقسمتی تھی کہ میں اتنی بڑی مصیبت اُٹھا کر بھی اپنے ماں باپ کے پاس نہیں گیا۔

اپنے جہازی دوست کے باپ سے جب میری ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے بہت بُرا بھلا کہا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے جہاز پر یہ ساری تباہی میری وجہ سے آئی تھی کیوں کہ میں اپنے ماں باپ کی اجازت لیے بغیر اس کے جہاز پر سفر کر رہا تھا۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فوراً اپنے گھر واپس چلا جاؤں کہ اسی میں میری بھلائی ہے۔

کاش میں اسی وقت اپنے باپ کے پاس چلا جاتا۔ والد مجھے زندہ اور صحیح وسلامت پا کر بہت خوش ہوتے مجھے سینہ سے چمٹا لیتے اور مجھے یقین ہے کہ میرا قصور بھی معاف کر دیتے۔ یہی نہیں میرے آنے کی خوشی میں ایک بڑی دعوت بھی کرتے لیکن میں گھر نہیں گیا۔ دراصل مجھے ایسی حالت میں گھر جاتے ہوئے اور باپ کا سامنا کرتے ہوئے شرم آتی تھی۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ کبھی کبھی جھوٹی شرم آدمی سے اس کا گھر بار ہمیشہ کے لیے چھڑا دیتی ہے۔

میں لندن آگیا۔ میں نے ملک گنی کو جانے کا فیصلہ کیا۔ گنی کو لوگ سونے کا ملک بھی

کہتے ہیں۔ میری ملاقات لندن میں ایک نیک دل اور ایمان دار جہاز کے مالک سے ہوئی جو کئی بار ملک گنی ہو آیا تھا، اور تجارت میں کافی نفع کما چکا تھا۔ وہ میرا دوست بن گیا۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اس کے ساتھ سوداگری کا سامان لے چلوں۔ سارا منافع میرا ہی ہوگا وہ اس میں سے ایک پیسہ بھی نہیں لے گا۔ میرے باپ نے اپنے دوستوں کی سفارش پر میرے لیے کچھ رقم بھجوادی تھی۔ میں نے اس رقم سے کھلونے، چاقو اور دوسری سوداگری کی چھوٹی چھوٹی چیزیں خریدیں اور اس سفر پر روانہ ہوگیا۔ اس مہربان دوست سے مجھے بہت کچھ حاصل ہوا۔ اس نے مجھے جہاز رانی سے متعلق بہت سی معلومات دیں اور تجارت کے گُر سکھلائے۔ وہ نہ صرف میرا اچھا اور سچا دوست تھا بلکہ استاد بھی تھا۔ اس طرح میں اس کی مدد سے ایک اچھا سوداگر بھی بن گیا اور جہاز چلانے کے فن سے بھی واقف ہوگیا۔

گنی کے سفر سے مجھے بہت فائدہ حاصل ہوا۔ میں نے تین سیر سونا جمع کرلیا۔ اس سونے کو میں نے لندن میں تین ہزار روپے میں فروخت کیا۔ میرا یہ دوست ایک بار بیمار پڑا اور مرگیا۔ مجھے اس کی موت کا بہت افسوس ہوا۔ میں نے ان تین ہزار روپیوں میں سے دو ہزار روپے اپنے مرحوم دوست کی بیوہ کے پاس رکھ دیے اور ایک ہزار روپے کا سامان لے کر دوبارہ ملک گنی کے سفر کے لیے روانہ ہوا۔ لیکن اس سفر میں مجھ پر عجیب آفت آئی۔

جب ہمارا جہاز کینیری ٹاپو کے قریب پہنچا تو ہم پر سمندری لٹیروں نے حملہ کردیا۔ ہم نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، دو بار تو ان لٹیروں کو اپنے جہاز سے بھگا بھی دیا لیکن بدقسمتی سے ہمارا جہاز ٹوٹ گیا اور لٹیروں نے ہمارے جہاز پر قبضہ کرلیا۔ ہمارے کچھ ساتھی زخمی ہوئے اور کچھ مارے بھی گئے۔ باقی کو قید کرلیا گیا۔ قیدیوں کو سردار کے سامنے پیش کیا گیا۔ میں اُسی کمبخت سردار کے حصے میں آیا۔

میں اپنی اس حالت کو دیکھ کر رو پڑا کہ کہاں تو میں ایک سوداگر تھا اور کہاں اب ایک غلام بن گیا۔ اس وقت مجھے اپنے باپ کی نصیحت یاد آئی۔

میرے مالک نے مجھے گھر کے کام کاج کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ میں خدا سے دعا کرتا تھا کہ کبھی میرا مالک مجھے اپنے ساتھ سمندر میں لے چلے اور وہاں اس کی لڑائی اسپینیوں یا پرتگالیوں سے ہو اور میرا مالک مارا جائے یا پکڑا جائے تو میں آزاد ہو جاؤں۔ لیکن میری یہ آرزو پوری ہوتی نظر نہیں آتی تھی کیوں کہ سمندر میں دوسرے لٹیروں کے ساتھ جاتے وقت میرا سردار مجھے کبھی نہیں لے جاتا تھا، بلکہ وہ مجھے اپنے باغ اور گھر کی رکھوالی کے لیے چھوڑ جاتا تھا۔

میرے دماغ میں رہائی پانے کا خیال ہر وقت چکر لگاتا رہتا تھا۔ میں مناسب موقع کی تلاش میں تھا، لیکن دو سال تک مجھے کوئی ایسا موقع ہاتھ نہیں آیا۔ دو سال بعد خدا نے میری سن لی۔ ہوا یہ کہ ایک دن میرے مالک نے دو تین مہمانوں کے ساتھ مچھلی کا شکار کھیلنے کا پروگرام بنایا اور کھانے پینے کی بہت ساری اچھی اچھی چیزیں چھوٹی کشتی میں رکھوا دیں اور مجھے حکم دیا کہ دو تین بندوقیں اور چھرّے، بارود بھی کشتی میں لاکر رکھ دوں تاکہ وہاں سمندری پرندوں کا بھی شکار کر سکیں۔ میں نے سارا سامان کشتی میں رکھ دیا اور کشتی کو دھو دھا کر تیار کر لیا۔

تھوڑی دیر بعد مالک آیا اور بولا کہ ضروری کام کی وجہ سے وہ اور اس کے مہمان شکار کھیلنے نہ جا سکیں گے۔ اس نے مجھے حکم دیا کہ میں دو اور غلاموں کو لے کر جاؤں اور جلدی مچھلیاں پکڑ کر واپس آجاؤں کیوں کہ مہمانوں کو دعوت میں مچھلیاں کھلانی ہیں۔ میں یہ سن کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔

میں نے اپنے ساتھی غلام سے کہا کہ ہم لوگ کھانے پینے کا سامان کشتی میں رکھ لیں نہ جانے کیا ضرورت آن پڑے۔ چنانچہ ایک ٹوکری روٹی، تین چار صراحی پانی وغیرہ کشتی میں

رکھ دیا۔ اس کے علاوہ میں نے نظر بچا کر بہت سارا موم، سوت کا ایک پنڈا، ایک بسولہ، آری، ہتھوڑا وغیرہ بھی رکھ لیے اس کے علاوہ سمندری پرندے مارنے کے بہانے تھوڑے چھرّے، بارود بھی رکھے۔ جب ضرورت کی تمام چیزیں تیار ہوگئیں تو میں نے کشتی کھول دی میرے ساتھ جو دو غلام تھے ان میں ایک لڑکا سا تھا، اس کا نام زروری تھا اور دوسرا مُولا تھا۔

جب ہماری کشتی ساحل سے ڈیڑھ میل دور نکل گئی تو میں نے موقع پا کر مُولا کو سمندر میں پھینک دیا۔ وہ غوطے کھا کر تیرنے لگا اور گڑگڑانے لگا کہ کشتی پر بٹھا لوں، مگر میں نے اس سے کہا کہ وہ تیرنا جانتا ہے۔ کنارہ بھی دور نہیں ہے۔ اور اگر وہ نہیں ملنے گا تو میں اسے گولی مار دوں گا۔

مُولا میرے تیور دیکھ کر سہم گیا اور کشتی کا پیچھا کرنے کے بجائے کنارے کی طرف تیرنے لگا۔ دوسرا لڑکا یہ دیکھ کر ڈر گیا اور میرے پیروں پر گر پڑا اور قسمیں کھانے لگا کہ وہ میرا وفادار رہے گا اور کبھی دھوکہ نہیں دے گا۔ مجھے اس کی قسموں پر اعتبار آگیا، چنانچہ میں نے اس کو تاکید کی کہ اگر اس نے میرے کہنے پر عمل کیا تو ایک دن میں اسے آزاد کر دوں گا، اور اگر اس نے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو سخت سزا دوں گا۔

جب مُولا میری نظروں سے اوجھل ہوگیا تو میں نے اپنی کشتی کا رُخ دکن کی سمت کر دیا۔ دوسرے دن تین بجے تک ہم نے اسّی میل کا سفر طے کر لیا تھا۔ ہوا موافق تھی، اس لیے ہمارا سفر پانچ دن تک مسلسل جاری رہا۔ کبھی کبھی میٹھے پانی کی تلاش میں ہم کنارے پر کشتی کو ٹھہرا لیتے تھے۔ ایک بار ہم نے بندوق سے ایک بڑے شیر کا شکار کیا اور اس کی کھال اُتار کر کشتی پر سوکھنے کو ڈال دی۔ کھانے پینے کا سامان ہمارے پاس بہت کم تھا، اس لیے ہم بہت تھوڑا کھا کے گزارہ کر رہے تھے۔

میرا خیال تھا کہ راستہ میں کوئی تجارتی جہاز ضرور مل جائے گا۔ لیکن اب تک

ہمیں کوئی جہاز نظر نہ آیا تھا۔ کھانے کا سامان بھی اب ختم ہونے والا تھا۔

ایک دن میں پریشان سا کشتی کی کوٹھری میں بیٹھا ہوا تھا کہ زوری چلایا:

"صاحب جہاز!"

وہ جہاز دیکھ کر ڈر گیا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ ہمارے مالک نے ہمیں پکڑنے کے لیے شاید جہاز بھیجا ہے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ اتنی دور وہ کوئی جہاز نہیں بھیجیں گے۔ یہ جہاز تو ایک تجارتی جہاز تھا جو شاید تجارت کا سامان لے کر ملک گنی کی طرف جا رہا تھا۔

یہ جہاز ہماری کشتی سے کافی دوری پر تھا اور ہماری طرف نہیں آ رہا تھا۔ ہم نے کشتی کو جہاز تک لے جانے کی پوری کوشش کی لیکن جہاز کی رفتار ہماری کشتی کی رفتار سے بہت زیادہ تھی، اور جہاز برابر ہم سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میرا دل بیٹھ گیا لیکن خوش قسمتی سے جہاز کے کپتان نے ہماری کشتی کو دوربین سے دیکھ لیا اور ہمیں مصیبت کا مارا جان کر جہاز کی رفتار کم کرنے کے لیے کئی پال اُتروا دیے۔ میں نے کشتی پر جھنڈا چڑھایا اور بندوق چھوڑی تاکہ انھیں ہماری مصیبت کا علم ہو جائے۔ ہم اپنی کشتی کو جہاز کی طرف لے چلے اور تین گھنٹے میں جہاز تک پہنچے۔

میں نے کپتان کو اپنی مصیبت کی ساری داستان سنا ڈالی کہ میں کس طرح سمندری لٹیروں کے ہاتھ لگا اور کس طرح ان کی قید سے رہائی پائی اور یہاں تک پہنچا۔ میرا سارا سامان جہاز پر چڑھا دیا گیا۔ اتنی مدت کے بعد اور غلامی کی زندگی گزارنے کے بعد آزاد ہو کر میں بہت خوش ہوا۔ یہ ایسی خوشی تھی کہ اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ میں نے اس خوشی میں اپنا سارا سامان جہاز کے کپتان کی نذر کرنا چاہا۔ لیکن اس نیک آدمی نے میری کوئی بھی چیز قبول نہیں کی اور کہا کہ جس طرح میں نے مصیبت میں تمھاری مدد کی ہے اُسی طرح خدا بھی میری مدد کرے گا۔ یہی میرا انعام ہے۔ اس نے میری ساری چیزوں کی فہرست بنائی یہاں تک کہ مٹی کے گھڑے بھی لکھ لیے اور سارا سامان حفاظت کے ساتھ رکھوا دیا۔ جہاز کے ملاحوں کو

تاکید کردی کہ میری کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائیں اور نہ ہی کوئی چیز تحفے میں قبول کریں۔کپتان نے مجھ سے کہا کہ وہ برازیل تک مجھے مفت جہاز پر لے جائے گا اور کوئی کرایہ نہیں لے گا۔

برازیل پہنچنے پر جہاز کے مالک نے مجھ سے کرایہ نہیں لیا اور نہ ہی کوئی چیز تحفہ میں قبول کی۔ بلکہ میری کشتی اور شیر کی کھال کی معقول قیمت مجھے ادا کر دی۔اس کے علاوہ اور جو دوسرا سامان میں نے اس کے ہاتھ بیچا اس کی قیمت بھی اس نے فوراً ادا کر دی۔ میں ژوری کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا لیکن جہاز کے مالک نے یہ شرط رکھی کہ وہ ژوری کو خریدنا چاہتا ہے اور دس سال بعد اُسے آزاد کر دے گا تو میں نے اس کی یہ شرط مان لی۔ ژوری نے بھی جہاز کے مالک کے پاس رہنا منظور کر لیا۔اس طرح اب میرے پاس اچھی خاصی رقم جمع ہو گئی تھی۔

میرا ارادہ برازیل میں شکر بنانے کا کارخانہ چلانے کا تھا، یہاں پر شکر کے کاروبار سے معمولی لوگ بھی بہت مالدار ہو گئے تھے یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میرے رہنے کا انتظام ایک نیک آدمی کے یہاں ہو گیا۔۔۔ میں نے یہاں رہ کر شکر بنانے کا فن سیکھا سب سے پہلے میں نے تھوڑی زمین خریدی اور اس پر تمباکو کی کاشت کی اس کے بعد گنا بویا۔

وہ جہاز جس پر میں برازیل تک۔۔۔ پہنچا تھا، تین ماہ تک برازیل میں ٹھہرا رہا۔ ان تین مہینوں میں میں نے اپنی کھیتی کا سارا انتظام کر لیا تھا۔اب یہ جہاز لندن جا رہا تھا میں نے اپنے دوست، جہاز کے مالک سے درخواست کی کہ وہ ایسی تدبیر کرے کہ میری رقم جو لندن میں ہے مجھے یہاں مل جائے۔اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں لندن سے آدھی رقم منگواؤں اور آدھی وقت ضرورت کے لیے لندن ہی میں چھوڑ دوں۔ اور بجائے رقم منگوانے کے وہ سامان منگواؤں جو میرے کاروبار کے لیے فائدہ مند ہو۔ مجھے اس کی یہ تجویز پسند آئی۔ میں نے جہاز کے کپتان کے نام ایک مختار نامہ لکھ دیا کہ میری رقم اس کو دے دی جائے۔ایک خط اپنے مرحوم دوست کی بیوہ کے نام لکھا جس کے پاس میں لندن

میں دو ہزار روپے رکھ آیا تھا۔ اس خط میں مَیں نے اسے اپنا سارا حال بھی لکھ دیا اور جہاز کے مالک کی مہربانیوں کا ذکر بھی کر دیا جس کی مدد سے میں برازیل تک پہنچ سکا، اور اسے میری جمع شدہ رقم میں سے ایک ہزار روپیہ دے دینے کی درخواست کی۔ یہ دونوں خط میں نے جہاز کے مالک کو دیدیے۔

میرے دوست نے لندن سے روپیہ حاصل کر کے میری ضرورت کی بہت ساری چیزیں خریدیں اور مجھ تک بھجوا دیں یہ سامان ملنے پر مجھے بہت اطمینان ہوگیا اور اب میں ایک دولت مند آدمی بننے کا خواب دیکھنے لگا۔ مجھے اپنے کاروبار میں بہت فایدہ ہوا اور جو لاگت میں نے لگائی تھی اس سے میرے پاس تھوڑے دنوں میں چوگنی رقم جمع ہوگئی میں نے دو تین نوکر بھی رکھ لیے۔

میں چار سال تک برازیل میں رہا۔ میں نے یہاں کی زبان سیکھ لی اور بڑے بڑے تاجروں سے میرے تعلقات ہوگئے تھے اور لین دین رہتا تھا۔ میرے دماغ میں اب بہت دولت مند بننے کا خبط سمایا۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ جو آدمی لالچ میں پڑتا ہے اور اپنی طاقت سے زیادہ کام کرنے کی سوچتا ہے وہ نقصان اُٹھاتا ہے۔ اگر میں اس وقت اپنے اسی کام میں لگا رہتا اور صبر و شکر کے ساتھ موجودہ حالت پر ہی قناعت کیے رہتا تو یقیناً مصیبتوں سے بچ جاتا۔ لیکن لالچ اور ناسمجھی نے مجھے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔

ایک بار میں نے اپنے دوستوں سے اپنے سفر کے حالات بیان کیے اور جو جو ملک میں نے دیکھے تھے ان کے بارے میں بتایا، انھوں نے خاص کر ملک گنی اور وہاں کے باشندوں کے ساتھ تجارت کے حال کو بہت غور سے سُنا۔ وہ لوگ یہ سُن کر بہت متاثر ہوئے کہ کافری باشندوں سے چاقو چھری اور بچوں کے معمولی کھلونے، کلہاڑی، گلاس وغیرہ کے بدلے میں سونا اور ہاتھی دانت حاصل کر کے بہت فایدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور ملک گنی میں غلاموں کی خرید و فروخت پر کوئی پابندی نہیں ہے جب کہ ملک برازیل میں

پابندی ہے۔

ایک دن میرے پاس تین مالدار بیوپاری آئے ان بیوپاریوں کی میری ہی طرح بڑی کھیتی باڑی تھی اور انھیں کھیتوں میں کام کرنے کے لیے غلاموں کی ضرورت تھی۔ لیکن وہ اعلانیہ غلاموں کی خرید و فروخت نہیں کر سکتے تھے۔ اُن کا ارادہ تھا کہ ہم لوگ ملک گنی سے غلام خرید کر لائیں اور آپس میں بانٹ لیں۔ انھوں نے میرے سامنے یہ تجویز رکھی کہ میں اس کام کو انجام دوں۔ سفر کا سارا خرچ وہ لوگ اٹھائیں گے اور جو غلام میرے حصّے میں آئیں گے اُن کی قیمت بھی وہ مجھ سے نہیں لیں گے۔

یہ شرط میرے لیے بڑی پُرکشش تھی۔ میں نے اس کو منظور کر لیا اور اُن سے کہا کہ میری غیر موجودگی میں میرے کھیت اور کاروبار کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اُن پر ہوگی۔ یہی نہیں میں نے ایک وصیت بھی لکھ دی کہ اگر خدانخواستہ میں مر جاؤں تو میری جائداد اس جہاز کے مالک کو دی جائے جس نے میری جان بچائی تھی۔ اس جائداد کے منافع میں سے آدھا وہ اپنے پاس رکھے اور آدھا لندن بھیج دے۔

میں نے زیادہ کمانے کی فکر میں بہت نقصان اُٹھایا۔ حال پر قناعت نہ کی اور صرف مستقبل کے چکر میں پڑ کر سمندر کا سفر اختیار کیا جہاں سے مجھے ہمیشہ مصیبتیں ملیں۔

وہ یکم ستمبر سن ۱۶۵۹ کا منحوس دن تھا، جب میں نے اس سفر کی ابتدا کی۔ یہ وہی منحوس تاریخ تھی جب کہ آٹھ سال پہلے میں نے اپنے گھر، اور ماں باپ کو چھوڑ کر پانی کے جہاز پر قدم رکھا تھا اور مصیبتوں کو دعوت دی تھی۔ اور اب اَن دیکھی مصیبتیں پھر میرا انتظار کر رہی تھیں۔

میرا جہاز تیار تھا، اس پر تین ہزار من بوجھ لدا ہوا تھا۔ چھ توپیں اور چودہ نوکر تھے اس کے علاوہ جہاز کا کپتان، اس کا بیٹا اور میں تھا۔ تجارت کے سامان میں کاخری باشندوں

کے لیے چھوٹی چھوٹی چیزیں مثلاً چاقو، چھری، گلاس اور کھلونے وغیرہ تھے۔

بارہ دن میں ہم نے آٹھ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا، ایک دن ایک خوف ناک طوفان نے ہمیں گھیر لیا۔ بارہ روز تک سخت آندھی چلتی رہی۔ ہر وقت جہاز کے ڈوبنے کا ڈر لگا رہتا تھا۔ ایک ملاح بیمار ہو کر مر گیا۔ ہم نے اس کو سمندر میں ڈال دیا۔ آخر طوفان کا زور کم ہو گیا لیکن ہمارا جہاز صحیح راستے سے بھٹک گیا تھا۔ کپتان کا خیال تھا کہ ہمیں برازیل واپس چلنا چاہیے۔ لیکن میں اس پر راضی نہیں ہوا۔ کپتان نے نقشہ دیکھ کر بتایا کہ کاربین جزیروں کے سوائے کہیں اور انسانوں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ ہم نے اُتر پچھم کی سمت سفر جاری رکھا۔ پندرہ دن میں ہم باربیڈوز جزیرے تک پہنچے۔ ہمارا ارادہ اب افریقہ جانے کا تھا، لیکن جہاز کی مرمت کرنا تھی اور جہازیوں کو آرام کی ضرورت تھی اس لیے یہاں ٹھہرنا ضروری تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ اگر ہم اُتر پچھم کی طرف کچھ اور آگے بڑھ چلیں تو کسی انگریزی جزیرے سے ہمیں مدد مل جائے گی۔ ہم نے اپنا سفر جاری رکھا۔ ابھی ہم صرف ساٹھ میل ہی چلے ہوں گے کہ تیز آندھی چلنے لگی اور ہمارا جہاز پچھم کی طرف چل پڑا یہاں آدم خوروں کی بستیاں تھیں۔ ہمیں ڈر تھا کہ آدم خور ہمیں دیکھتے ہی ہم پر ضرور ٹوٹ پڑیں گے اور پھر ہمیں کھا جائیں گے۔ ہمارا جہاز ہوا کے رحم و کرم پر آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

ایک صبح ملاح چلایا "زمین! زمین!" ہم اندر سے دوڑتے ہوئے نکلے کہ یکایک ہمارا جہاز ایک دھکے کے ساتھ ریت پر چڑھ گیا۔ ہم پر یہ دوسری مصیبت آن پڑی، ایک تو پہلے ہی سے سمندر میں طوفان اُٹھ رہا تھا۔ سب کو اپنی اپنی جانوں کی فکر پڑنے لگی۔ اس وقت کا حال بیان سے باہر ہے کیوں کہ جو کچھ ہم پر بیت رہی تھی اس کو تو وہی جان سکتا ہے جس پر کبھی ایسی مصیبت پڑی ہو۔

اس وقت یہ معلوم ہوا جیسے کہ جہاز کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور ہم زندہ نہیں بچ سکیں گے۔ جہاز کے پیچھے ایک کشتی بندھی ہوئی تھی، یہ کشتی بھی ہوا کے زور سے

جہاز سے ٹکرا کر ٹوٹ چکی تھی۔ ایک دوسری کشتی جہاز کے اوپر تھی لیکن اس کا اُوپر سے اُتارنا ناممکن سا تھا کیوں کہ ہر وقت جہاز کے چرچرا کر ٹوٹ جانے کا خطرہ تھا۔ لیکن جب کوئی دوسری ترکیب سمجھ میں نہیں آئی تو سب نے مل کر اُوپر سے لاکر کشتی کو بڑی مشکل سے پانی میں اُتارا۔ اور سب لوگ اس پر بیٹھ گئے۔

اونچی اونچی موجوں کے سامنے کشتی کا ٹھہرنا ناممکن تھا۔ ہر طرف موت منہ پھاڑے کھڑی تھی۔ ہم نے موجوں کے رحم و کرم پر کشتی کو چھوڑ دیا ۔۔۔ ہمیں یقین تھا کہ اوّل تو ہماری کشتی کنارے تک پہنچ ہی نہ سکے گی۔ اور اگر پہنچ بھی گئی تو کنارے کی چٹانوں سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ ہم نے اپنی جانوں کو خدا کے سپرد کر دیا۔

ایک اونچی سی موج نے ہماری کشتی کو اُلٹ دیا اور پانی کو ہماری قبر بنا دیا۔ حالاں کہ میں ایک اچھا تیراک تھا لیکن میرے ہاتھ پیر میرے قابو میں نہ تھے دوسرے سمندر بپھرا ہوا تھا۔ ایک موج نے مجھے کنارے پر لاکر پھینک دیا۔ میری ناک اور منہ میں پانی بھر گیا اور میں ادھ مرا پڑا رہا۔ بڑی دیر تک میں یونہی پڑا رہا اور جب میری طبیعت ذرا سنبھلی تو میں اُٹھ کر بیٹھ گیا میرے سامنے دور تک سمندر ہی سمندر تھا اور میں بے یار و مددگار، اکیلا بھوکا پیاسا بیٹھا تھا۔۔۔؟

ویران جزیرے میں

میں نے اپنی جان بچ جانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ میرا اور کوئی ساتھی زندہ نہیں بچ سکا۔ سب کے سب طوفان کی نذر ہو گئے تھے، صرف میں ہی رہ گیا تھا۔ میرے کپڑے پانی میں بھیگ گئے تھے۔ میرے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ ایک مصیبت سے تو مجھے نجات مل گئی تھی لیکن کھائے پیے بغیر زندہ رہنا ناممکن تھا۔ میں نے سوچا کہ میں بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گا یا کوئی جنگلی جانور مجھے کھا جائے گا۔

شام ہو گئی تھی، میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں قریب کے ایک پیڑ پر چڑھ گیا اور رات اسی پر بسر کی۔ دوسرے دن سویرے اُترا۔ پیاس کے مارے حلق میں کانٹے چُبھ رہے تھے اور بھوک سے آنتیں اینٹھ رہی تھیں۔ میں میٹھے پانی کی تلاش میں چل پڑا۔ قریب ہی مجھے میٹھے پانی کا چشمہ مل گیا۔ میں نے اچھی طرح پانی پیا۔ لیکن کھانے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ میری کمر کی پیٹی میں تھوڑی سی تمباکو، پائپ اور ایک چاقو تھا۔ لاچار ہو کر میں نے تمباکو چبایا کہ کچھ تو پیٹ میں پہنچے۔ دوسری رات بھی میں نے پھر پیڑ پر گزاری۔

اگلے دن موسم اچھا ہو گیا تھا۔ نہ وہ طوفان تھا اور نہ وہ موجوں کا زور اور شور۔ ہمارا جہاز جو ریت میں دھنس گیا تھا وہ موجوں کے زور سے اُٹھ کر ایک چٹان کے قریب

پہنچ گیا تھا اور سیدھا کھڑا تھا۔ قریب ہی ہماری کشتی اوندھی پڑی تھی اور ریت میں دھنس گئی تھی۔

میں نے سوچا کہ جہاز پر جاؤں شاید وہاں کوئی کھانے پینے کی چیز ہاتھ لگ جائے۔ اس وقت بھاٹے کی وجہ سے سمندر کا پانی اُتھلا ہو گیا تھا۔ میں نے کنارے پر کپڑے اُتارے اور تیر کر جہاز تک پہنچا۔ جہاز بہت اونچا تھا اور بغیر کسی سہارے کے اُس کے اوپر پہنچنا میرے لیے بہت دشوار تھا۔ میں جہاز کے چاروں طرف تیرتا ہوا گھوم رہا تھا۔ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے جہاز کے اگلے حصے میں ایک رسّی لٹکتی ہوئی دکھائی دی میں اس رسّی کو پکڑ کر جہاز پر چڑھ گیا۔ جہاز میں پانی بھر گیا تھا اور سارا سامان پانی اور ریت کی وجہ سے برباد ہو گیا تھا۔ جہاز کا پچھلا حصہ ریت میں دھنس جانے کی وجہ سے جہاز کا اگلا حصہ ذرا اونچا اٹھ گیا تھا، اور اس حصے میں رکھا ہوا سامان بچ گیا تھا۔ کھانے پینے کا بہت سارا سامان بڑی اچھی حالت میں تھا۔

میں نے سب سے پہلے تو پیٹ بھر کر روٹی کھائی اور پانی پیا، جب جان میں جان آئی تو دوسری ضروری چیزوں کی تلاش شروع کی۔ وہاں بہت ساری کام کی چیزیں ملیں میں نے ان سب چیزوں کو ایک جگہ لا کر رکھ دیا۔ لیکن چیزوں کو کنارے تک پہنچانے کے لیے تو ناؤ کی ضرورت تھی مگر وہاں ناؤ کہاں؟ اس وقت میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ میں نے جہاز کے ٹوٹے ہوئے مستول کے لٹھوں کو اکٹھا کیا اور برابر کر کے رسّی سے باندھا اور انھیں سمندر میں پھینک دیا۔ اس کا ایک سرا رسّے سے اور رسّے کو جہاز سے باندھ دیا۔ اس کے بعد جہاز پر جو بھی لکڑی کے تختے ملے ان کو لا کر ان لٹھوں پر بچھا کر کیلوں سے جڑ دیا۔ ملّاحوں کے تین صندوقوں کے تالے توڑ کر اُن کا سامان خالی کیا اور ان کو لا کر ان تختوں پر رکھا۔ ایک صندوق میں کھانے کا سامان، روٹیاں، پنیر، بکری کا خشک گوشت وغیرہ بھر دیا۔ مرغیوں کا دانہ بھی تھیلیوں میں تھا دو تھیلیاں میں نے خالی

کر کے ان میں بھی سامان بھر دیا۔ مرغیاں مر چکی تھیں اور بہت سارا دانہ چوہے کھا گئے تھے۔

اس کام میں مجھے بہت وقت لگا اور سمندر میں جوار آگئی۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ میں نے کنارے پر جو کپڑے اتارے تھے وہ تو سب بہہ گئے ہوں گے۔ تب میں نے جہاز میں کپڑے تلاش کیے، وہاں تلاش کرنے پر مجھے اپنی ضرورت کے لائق کپڑے مل گئے۔ اس کے علاوہ اوزاروں کا ایک صندوق بھی مل گیا۔ یہ اوزار میرے لیے سونا چاندی سے بھی زیادہ قیمتی تھے۔ جہاز کی کوٹھری میں ہتھیار بھی تھے۔ دو بندوقیں، دو پستول، دو پرانی تلواریں اور چھرا بارود غرض جو کچھ میرے ہاتھ لگا وہ میں نے اپنی اس بنائی ہوئی ناؤ پر رکھ لیا۔ جب ساری چیزیں اکٹھا ہوگئیں تو خیال آیا کہ ناؤ میں ڈانڈ نہیں ہیں۔ اور بغیر ڈانڈ کے میرے لیے ناؤ کو چلانا ممکن نہیں۔ میں پھر جہاز پر چڑھا اور تلاش کرنے وہاں مجھے دو ٹوٹے ہوئے ڈانڈ بھی مل گئے۔ اس وقت ہوا بھی موافق چل رہی تھی اور جوار کا پانی کنارے کی طرف جارہا تھا۔ میری کام چلاؤ کشتی دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ میری کشتی الٹتے الٹتے بچی۔ کچھ سامان پانی میں گر کر خراب بھی ہوگیا۔ بڑی مشکل سے کنارہ تک پہنچ سکا۔ میں نے سارا سامان ایک جگہ اتار دیا۔

چوں کہ میں ابھی اس جزیرے کے حالات سے واقف نہ تھا اس لیے ایسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں بے کھٹکے رہ سکوں اور درندوں اور آدم خوروں سے بچا رہوں۔ ایک میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی تھی۔ میں بندوق اور چھرا بارود لے کر پہاڑی پر چڑھ گیا، اور چاروں طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے، اس کے چاروں طرف سمندر ہے۔ وہاں نہ آدم ہے نہ آدم زاد۔ صرف چوپائے اور پرندے ہیں۔ میں نے ایک بار بندوق چھوڑی۔ اس کی آواز سن کر چاروں طرف سے پرندے گھبرا کر نکل پڑے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ زمین کی پیدائش سے اب تک اس جزیرے میں یہ بندوق

کی پہلی آواز ہے۔ اس جزیرے کے چھ سات میل کے فاصلے پر دو اور بھی جزیرے تھے لیکن نہ معلوم وہ آباد تھے یا غیر آباد۔ مجھے اس کا کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔

سارا دن اسی طرح محنت کرتے گزر گیا۔ رات ہوئی تو مجھے اپنے سونے کی فکر ہوئی۔ میں نے صندوق اور بھاری چیزوں کو چاروں طرف رکھ کر ایک کوٹھری سی بنائی اور بیچ میں اپنا بستر لگایا۔ درندوں سے میرا ڈرنا فضول تھا کیوں کہ یہاں پر میں نے ایک بھی درندہ نہیں دیکھا تھا۔

دوسرے دن میں نے سوچا کہ اگر دوبارہ طوفان آیا تو جہاز میں جو سامان بچا ہوا ہے وہ برباد ہو جائے گا، اس لیے مناسب یہی ہے کہ میں جہاز سے اور سامان اٹھا لاؤں۔ چنانچہ میں پہلے کی طرح کپڑے اُتار کر جہاز پر گیا اور بہت سارا سامان اُٹھا لایا۔ جہاز کے لٹھوں اور تختوں کی مدد سے اب میں بیڑہ بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس بار سامان میں بڑی ضروری چیزیں ملیں مثلاً بڑھئی کے اوزار، کیلوں سے بھرے تھیلے، پیچکس، آری، اور بسولہ وغیرہ۔ سب سے زیادہ فائدہ مجھے اوزاروں پر سان رکھنے والے پتھر کے پہیے سے ہوا۔ اس کے علاوہ چارپائی، چادریں، بادبان وغیرہ بھی اُٹھا لایا اور اس میں جہازیوں کے پہننے کے بہت سارے کپڑے بھی تھے۔ وہ بھی میں لے آیا۔

بارود کے پیپے چوں کہ بہت بھاری تھے اس لیے میں انھیں اپنی بنائی ہوئی کشتی پر نہیں لا سکتا تھا۔ میں بارود کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں بنا کر اپنے ڈیرے تک لے آیا۔ جب سارا سامان آگیا تو میں نے وہاں ایک خیمہ بنانے کا ارادہ کیا۔ ایک کھمبا کھڑا کر کے اس پر جہاز کا پال تان دیا اور سارا سامان اس کے نیچے رکھ دیا تاکہ دُھوپ اور بارش میں خراب نہ ہو جائے۔ خیمہ کے چاروں طرف پیپے اور صندوق اس طرح سے لگا دیے کہ اس کے اندر کوئی جانور نہ آ سکے۔ خیمہ کے دروازہ پر ایک اُلٹا صندوق رکھ کر اس کے دروازہ کو تختوں سے بند کر دیا اور خیمہ کے بیچوں بیچ اپنا بستر لگا اور آس پاس دو صندوقیں رکھ کر سو گیا۔ چونکہ

بہت تھکا ہوا تھا اس لیے بہت گہری نیند آئی۔

اپنے پاس اتنی بہت ساری اور قسم قسم کی چیزیں دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی لیکن میں نے فیصلہ کیا کہ جب تک یہ جہاز اس حالت میں ہے اُس وقت تک جتنی بھی چیزیں اس میں سے نکال سکوں گا، نکال لاؤں گا۔ اس طرح میں جوار کے وقت جہاز پر جاتا اور جو بھی چیز ملتی اسے لے آتا۔ تیسری بار میں رسّے، رسّیاں، پال، سُوت اور بارود کا بھیگا ہوا پیپا اور جتنے بادبان تھے وہ سب کاٹ کر لے آیا۔

اس طرح میں بارہ دفعہ جہاز پر گیا اور میں نے ایک ایک چیز لا کر اپنے خیمہ میں اکٹھا کر دی۔ ایک بار میرا بیڑہ پانی میں اُلٹ گیا اور کئی چیزیں خراب ہو گئیں۔

جہاز کی ایک الماری میں مجھے تین سو روپے اور کچھ سونا اور چاندی بھی ملا۔ اس وقت میں اپنے دل میں بہت ہنسا کیوں کہ وہاں یہ دولت میرے لیے کنکر پتھر کے مانند تھی۔ میں ان سے کوئی چیز اس ویران جزیرے میں نہیں خرید سکتا تھا۔ میں اس رقم کو کمر سے باندھ کر لے آیا اور صندوق میں رکھ دی۔

ایک رات ہوا بہت تیز چلتی رہی۔ صبح میں نے سمندر کی طرف دیکھا تھا جہاز وہاں نہیں تھا، ڈوب گیا تھا۔ مجھے افسوس ہوا۔ لیکن میرا افسوس کرنا بے کار تھا کیوں کہ میں جہاز کی ایک ایک چیز اٹھا لایا تھا۔ ہاں اگر تھوڑا وقت اور ملتا تو میں جہاز کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُٹھا لاتا۔

میرا خیمہ جس جگہ پر تھا وہ جگہ ذرا نیچے تھی۔ میں ایسی جگہ پر رہنا چاہتا تھا جو محفوظ بھی ہو اور سایہ دار بھی اور میٹھے پانی کے قریب بھی اس کے ساتھ ہی سمندر کے پاس بھی ہو تاکہ اگر کبھی کوئی جہاز اُدھر آئے تو میں دیکھ لوں اور اس ویران جزیرے سے نکل سکوں۔

تلاش کرنے پر مجھے ایک جگہ مل گئی۔ پہاڑی کے پاس ہی ایک چھوٹا سا میدان تھا،

اس کے ایک طرف تو پہاڑی تھی اس لیے ادھر سے کسی جنگلی جانور کے آنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا دوسرے یہ میدان پہاڑ کے اندر کی طرف پچھم کی سمت واقع تھا اس لیے یہاں تمام دن سایہ رہتا تھا صرف تیسرے پہر کو ذرا سی دیر کے لیے دھوپ آتی تھی۔ قریب ہی پانی کا چشمہ بھی تھا اور یہ جگہ سمندر کے قریب بھی تھی۔ میں نے یہیں پر اپنا خیمہ گاڑنے کا فیصلہ کیا۔

یہ جگہ تقریباً دو سو گز لمبی اور اتنی ہی چوڑی تھی۔ میں نے بیس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ایک گھیرا بنایا اور اس گھیرے کے نشان پر دو قطاروں میں چھ چھ انچ کی دوری پر لکڑی کی کھونٹیاں گاڑ کر ان میں جہاز کا رسا لپیٹ دیا۔ اس کے چاروں طرف ڈیڑھ ڈیڑھ ہاتھ اونچی کھونٹیاں اور گاڑ دیں۔ اس کے بیچ میں میرا خیمہ تھا۔ یہ گھر بہت مضبوط تھا اس میں کوئی چوپایہ یا آدمی نہیں گھس سکتا تھا۔ کھونٹیاں بنانے اور گاڑنے میں مجھے بہت محنت کرنی پڑتی اور میرا بہت وقت لگا۔

میں نے اپنے گھر کا باہر سے کوئی دروازہ نہیں رکھا تھا۔ بلکہ ایک سیڑھی لگا کر اندر کود جاتا تھا اور اندر پہنچ کر سیڑھی کو اٹھا لیتا تھا۔ میرے مکان کے چاروں طرف گھیرا ہی گھیرا تھا۔ کوئی دوسرا اس کے اندر نہیں آسکتا تھا۔ اب میں رات کو بے فکر ہو کر سوتا تھا۔

چوں کہ یہاں برسات کے موسم میں بارش بہت تیز ہوتی تھی اس لیے میں نے سامان کی حفاظت کے لیے ایک دوہرہ خیمہ تیار کیا تھا یعنی ایک خیمہ اوپر اور دوسرا اس کے نیچے۔ خیمہ کے اندر میں نے سارا سامان بہت سلیقہ کے ساتھ اس طرح سے رکھ دیا تھا کہ ایک ایک چیز الگ الگ رہے اور خراب بھی نہ ہونے پائے۔ میں نے مٹی لا کر اور پتھر اکٹھا کر کے خیمے کے چاروں طرف ہاتھ بھر اونچی دیوار بھی بنا ڈالی تھی۔

میرے پاس چوں کہ قلم اور دوات نہ تھی اس لیے میں کچھ لکھ نہ سکتا تھا چنانچہ میں نے یادداشت کے لیے یہ کیا کہ ایک لمبا سا لکڑی کا چوکھٹا سمندر کے کنارے گاڑ دیا اور اس

پر چھری سے یہ الفاظ کھود دیے :

"میں ۳۰ ستمبر سن ۱۶۵۹ کو اس ٹاپو میں آیا"

میں ہر روز اس چوکھٹے پر چھری سے ایک نشان بنا دیا کرتا تھا۔ اور ہر ہفتہ اس سے بڑا اور ہر ماہ اس سے بھی بڑا، اس طرح میں دنوں، ہفتوں اور مہینوں کا حساب رکھتا تھا۔ یہ میرا کلینڈر تھا۔ ایک دن میں نے جو ایک صندوق کھولا جو جہاز پر سے لایا تھا اس صندوق میں سے کاغذ، قلم، دوات کے علاوہ قطب نما، دوربین، نقشے اور انجیل کے دو نسخے بھی ملے۔ یہ جہاز کے کپتان کا صندوق تھا۔

جب کاغذ اور قلم مل گئے تو میں نے روزانہ کے حالات لکھنا شروع کر دیے۔ میں یہ روزنامچہ اس وقت تک لکھتا رہا جب تک کہ قلم، سیاہی اور کاغذوں نے میرا ساتھ دیا۔ لیکن جب سیاہی ختم ہوگئی تو میں نے لکھنا بند کر دیا۔

مجھے زندگی گزارنے کے لیے کھانے پینے کے علاوہ اور بھی بہت ساری چیزوں کی ضرورت تھی، مثلاً سیاہی، مٹی کھودنے کے لیے کدالی، پھاوڑا، بیلچہ اور سوئی ڈورا وغیرہ۔ لیکن ان چیزوں کے نہ ہونے سے مجھے بہت زیادہ تکلیف نہیں تھی کیوں کہ میں اُن کے بغیر بھی کسی نہ کسی طرح سے اپنا کام نکال ہی لیتا تھا۔

مجھے ایک جھونپڑے کی ضرورت تھی۔ لیکن چوں کہ وہاں ضرورت کے سارے اوزار اور سامان نہ تھے اس لیے مجھے صرف ایک جھونپڑا بنانے میں ایک سال لگا۔ میں روز جنگل جاتا، پیڑ کاٹتا، موٹی موٹی شاخیں چھیلتا، اور بھاری لکڑی کو گھسیٹ کر گھر تک لاتا۔ لیکن جب جھونپڑا بن کر تیار ہوگیا تو مجھے بہت خوشی ہوئی اور مجھے ایک قسم کا سکون ہوگیا اب مجھے ٹاپو میں گھومنے پھرنے اور پیٹ بھرنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں تھا۔

ہاں میں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ میں دو بلیوں کو بھی جہاز پر سے لے آیا تھا۔ اور ایک کتا بھی جہاز پر موجود تھا جو پانی میں کود کر تیرتا ہوا کنارے تک آگیا تھا۔ اس کتے نے بہت

دنوں تک میری خدمت کی۔ وہ میرا وفادار ساتھی تھا۔ میرا اشارہ فوراً سمجھ جاتا تھا۔ بس بول نہیں سکتا تھا۔

میں روزانہ بندوق اور چھرا، بارود لے کر جنگل میں چلا جاتا تھا اور کبھی کبھی کوئی پرندہ یا بکری مار لاتا تھا اور اس کا گوشت بہت کفایت کے ساتھ خرچ کیا کرتا تھا۔

میں کبھی کبھی تنہائی سے گھبرا کر رونے لگتا تھا۔ مجھے بار بار یہ خیال آتا تھا کہ چونکہ میں نے ماں باپ کی نافرمانی کی ہے اور ان کا دل دکھایا ہے اس لیے خدا نے مجھے یہ سزا دی ہے اور مجھے اس ویران جزیرہ میں قید کر دیا ہے، اور میں سوچا کرتا تھا کہ میں کبھی کبھی یہاں سے رہائی پاکر دوبارہ انسانوں کی صورت دیکھ بھی سکوں گا یا نہیں ـــــ؟

مَیں نے مکان بنایا اور غلّہ اُگایا

مَیں نے اپنا سارا سامان بہت حفاظت کے ساتھ رکھنے کے لیے یہ کیا کہ جھونپڑے کے برابر کی پہاڑی کی دیوار کو کاٹ کر ایک غار نُما چھوٹی سی کوٹھری بنائی۔ لیکن چوں کہ سامان بہت زیادہ تھا اس لیے میں دھیرے دھیرے کھود کر اس کو چوڑا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ پہاڑی کی دوسری طرف ایک راستہ سا نکل آیا۔ اس طرح یہ میرا دو دروازوں والا مکان تھا۔ میں نے اپنا سارا سامان بڑے سلیقے سے رکھ دیا تھا۔

میرے پاس کھانے اور لکھنے پڑھنے کی میز اور کرسی نہ تھی۔ میں نے صرف کلہاڑی اور بسولے کی مدد سے میز اور کرسی تیار کی۔ حالاں کہ اس سے پہلے میں نے کبھی بڑھئی کا کوئی کام نہیں کیا تھا۔ ہاں اس کام میں مجھے محنت بہت کرنی پڑی اور وقت بھی بہت لگا۔ لیکن میرے پاس وقت کی کمی نہ تھی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اس ویران جزیرے میں ہی مجھے زندگی گزارنا ہے اور وقت گزارنے کا آسان اور سستا نسخہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ہر وقت کام میں مشغول رکھے۔

میں روزانہ جنگل جاتا، کسی اچھے درخت کو چُنتا، اور اس کے تنے کو کلہاڑی سے کاٹتا۔ پھر اس کو چھیل چھال کر بسولے کی مدد سے سڈول اور ہموار کر لیتا۔ اس طرح ایک درخت کے تنے سے ایک ہاتھ لمبے کئی تختے تیار کر کے غار کے اندر الماری کی طرح جڑ دیئے

اور وہاں اپنے سارے اوزار الگ الگ قرینہ سے رکھ دیے تھے۔ جب ضرورت پڑتی تو انھیں آسانی کے ساتھ اٹھالیتا تھا۔ اس کے علاوہ کئی جگہوں پر کیلیں گاڑ کر ان پر پستول اور چھوٹی چھوٹی چیزیں لٹکا دی تھیں۔ اس طرح اپنی ساری چیزیں بہت سلیقہ کے ساتھ رکھی ہوئی دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔

میں شروع شروع میں اکثر پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر گھنٹوں سمندر کی طرف دیکھا کرتا تھا کہ شاید کوئی جہاز ادھر آ نکلے۔ کئی بار مجھے سمندر کی سطح پر جہاز کے بادبان سے دکھائی دیے لیکن بعد میں یہ راز کھلا کہ وہ جہاز کے بادبان نہ تھے بلکہ صرف میرا وہم تھا جہاز کا تصور میرے دماغ میں ایسا سما گیا تھا کہ سمندر کی لہروں پر سورج کی چمک میں مجھے جہاز کے بادبان دکھائی پڑتے تھے۔

میں نے جھونپڑے سے لے کر غار کے دروازے تک سو نٹے گاڑ کر ان کو درخت کے پتوں سے ڈھک دیا تھا۔ اس طرح برسات میں غار سے جھونپڑے تک آسانی سے آجا سکتا تھا۔

ایک دن میں غار کے اندر کام کر رہا تھا کہ ایک طرف کی دیوار میں سے مٹی گرنے لگی۔ میں گھبرا کر باہر نکل گیا۔ میرے نکلتے ہی غار کی چھت میں سے بہت ساری مٹی آ گری۔ اگر میں غار کے اندر رہتا تو اس وقت وہ غار میری قبر بن جاتا اور مجھے دفنانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ غار کے اندر گری ہوئی مٹی کو پھینکنے کے لیے مجھے بہت محنت کرنی پڑی۔ تب میں نے مٹی کو روکنے کی تدبیر کی اور غار کی چھت میں لکڑی کے تختے لگائے۔ پہلے میں نے لکڑی کی بلیاں کھڑی کیں اور ان کو تختوں سے جوڑ دیا۔ اس طرح غار میں چھوٹی چھوٹی کئی کوٹھریاں سی بن گئیں اور مٹی گرنے کا ڈر بھی نہیں رہا۔

ایک بار میں نے ایک بکری کا شکار کیا۔ دوسری بکری لنگڑی ہو گئی تھی میں اس کو رسی سے باندھ کر گھر لے آیا۔ میں نے اس کی تیمارداری کی یہاں تک کہ وہ بالکل ٹھیک

ہو گئی اور مجھ سے مانوس ہو گئی۔ وہ میرے جھونپڑے کے پاس ہی گھاس چرا کرتی تھی۔ یہ دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ اگر میں بہت ساری بکریاں پال لوں تو خوراک کی تلاش سے بچ جاؤں اور اگر میرے بارود اور چھرے ختم ہو جائیں تو بھی مجھے برابر گوشت ملتا رہے اور پھر کوئی پریشانی نہ ہو۔

مجھے کھانے پینے کے سامان کو اکٹھا کرنے کا بھی خیال آیا۔ میں نے سوچا کہ بارش، سردی یا بیماری اور میرے بڑھاپے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ میرے پاس کھانے پینے کا سامان ہر وقت رہے۔

جب میرے پاس موم بتیاں ختم ہو گئیں تو میں اندھیرے کی وجہ سے رات کو جلدی سو جایا کرتا تھا۔ لیکن بعد میں میں نے یہ ترکیب نکالی کہ مٹی کا ایک چراغ بنا کر اس کو دھوپ میں خشک کر لیا اور پھر بکری کی چربی اس چراغ میں جلایا کرتا تھا۔

میرے غار کے قریب ہی جو میدان تھا، میں نے برسات کے موسم میں کچھ پودوں کے انکھوے دیکھے۔ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کس چیز کے انکھوے ہیں۔ چند دنوں کے بعد جب اس میں کچھ پتّے بھی نکلنے لگے تو میں نے پہچانا کہ وہ دھان اور جَو کے پودے ہیں۔ مجھے یہ جان کر بہت ہی تعجب ہوا، اور میں نے خدا کا بہت شکر ادا کیا کہ اس نے میری پرورش کے لیے یہ پودے اگائے ہیں۔

ایک دن مجھے یاد آیا کہ میں جہاز پر سے جو سامان لایا تھا اس میں مرغیوں کے دانہ رکھنے کی تھیلیاں بھی تھیں۔ میں نے سامان رکھنے کے لیے ان تھیلیوں کو گھر کے سامنے جھاڑا تھا، ان تھیلیوں میں بچے کھچے جَو اور دھان جو تھے وہ وہاں گر گئے تھے۔ برسات میں زمین نرم اور تر ہو گئی اور یہ دانے اُگ آئے۔ بہر حال یہ خدا کی مہربانی ہی تھی کہ یہ دانے اُگ آئے اور چڑیوں سے بچے رہے۔

جون کے مہینے میں یہ دانے پک کر تیار ہو گئے تو میں نے ان کو بہت احتیاط کے

ساتھ اکٹھا کیا اور حفاظت کے ساتھ رکھ دیا کہ جب اگلی فصلوں میں بوتے بوتے یہ بہت سارے ہو جائیں گے تب روٹی بنا کر کھاؤں گا۔ میں چار سال تک ان دانوں کو بوتا رہا، تب کہیں جا کر مجھے غلّے کی صورت دکھائی پڑی۔

ایک بار میں اور میرا غار والا مکان تباہ ہوتے ہوتے بچا۔ ہوا یہ کہ میں ایک دن غار والے مکان میں کام کر رہا تھا، لکڑی کی وہ چھت جو میں نے مٹی روکنے کے لیے لگائی تھی چرچرا کر ٹوٹ گئی۔ میں بدحواس ہو کر تیزی سے باہر بھاگا۔ زلزلے کے زور سے زمین میں چار بار ہلی دراصل میرے مکان سے ایک کوس کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے ایک پہاڑ تھا، اس کی ایک بڑی سی چٹان خوفناک آواز کے ساتھ گری تھی، پورا جزیرہ کانپ گیا، سمندر کا پانی اُبلنے سا لگا۔ اسی وقت طوفانی ہوا چلنے لگی، بادل گھر آئے اور بارش ہونے لگی۔ میں جھونپڑے میں جا بیٹھا، تین دن تک یہی حالت رہی۔

اب مجھے یہ فکر ہوگئی کہ اگر اسی طرح زلزلے آتے رہے تو میرا غار والا مکان اور اس کا سامان تباہ ہو جائے گا، اور میں بھی دب کر مر سکتا ہوں۔ پہاڑی پر سے کسی وقت بھی کوئی چٹان میرے جھونپڑے پر گر سکتی ہے۔ اس ڈر سے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں کسی محفوظ جگہ پر جا کر رہوں گا۔ لیکن بہت تلاش کرنے پر بھی مجھے اس سے اچھی کوئی اور محفوظ جگہ نہیں مل سکی اور میں نے فی الحال یہیں پر رہنے کا فیصلہ کیا۔

میرے پاس تین کلہاڑیاں اور ایک بسولہ تھا، وہ سب سخت لکڑیاں چھیلتے چھیلتے کند ہو گئے تھے۔ میرے پاس اوزاروں پر سان رکھنے کا ایک پہیہ تو تھا لیکن ایک ہاتھ سے گھمانے اور ایک ہاتھ سے چلانے سے اوزاروں پر ٹھیک سے سان نہیں رکھی جا سکتی تھی، میں نے غور کر کے پیر سے گھمانے کی ترکیب نکالی اور دونوں ہاتھوں کی مدد سے اوزار پکڑ کر سان رکھنے لگا۔ اس طرح میں نے اپنے سارے اوزاروں پر اچھی طرح سے سان رکھی جس سے وہ پھر عمدہ طریقہ پر کام کرنے لگے۔

وہ روٹیاں جو میں جہاز پر سے لایا تھا اب وہ تھوڑی سی رہ گئی تھیں۔ میں نے اپنی خوراک بہت کم کر دی تھی، بس ایک روٹی روزانہ کھایا کرتا تھا میرا دل اس بات سے رنجیدہ رہتا تھا کہ جب روٹیاں ختم ہو جائیں گی تو میں کیا کھاؤں گا۔

میرے حساب سے وہ مئی کی پہلی تاریخ تھی۔ میں نے سمندر کے کنارے ایک پیپا اور کسی ٹوٹے ہوئے جہاز کے تختے دیکھے۔ قریب ہی تباہ شدہ جہاز کا ایک حصہ پانی میں دکھائی دیا۔ میں سوچنے لگا کہ شاید کوئی کام کی چیز میرے ہاتھ لگ جائے جہاز تک چلا گیا۔ جہاز کا پچھلا حصہ اگلے حصے سے الگ ہو گیا تھا اور اس میں ریت بھر گئی تھی، اس لیے اندر جانا مشکل تھا۔ میں نے جہاز کے تختوں کو توڑا تو اندرونی حصہ دکھائی دینے لگا، پانی اور ریت کی وجہ سے کھانے پینے کا بہت سارا سامان خراب ہو گیا تھا، میں اس میں سے بہت سارا لوہا، لکڑی، اور سیسہ وغیرہ نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ سامان اتنا بہت سا تھا کہ اس سے ایک بڑی اور اچھی کشتی تیار ہو سکتی تھی، لیکن افسوس یہ تھا کہ میں کشتی بنانا نہیں جانتا تھا۔

میں نے پہلی بار سمندر کے کنارے بہت بڑے کچھوے دیکھے، ایک کچھوے کو مار کر اس کے پیٹ سے انڈے نکالے، جب سے میں اس جزیرہ میں آیا تھا میں نے انڈے نہیں کھائے تھے۔ یہ انڈے مجھے بہت ذائقہ دار معلوم ہوئے۔

جون کی ۱۸ تاریخ کو تمام دن بارش ہوتی رہی۔ میں گھر سے نہیں نکلا، سردی بڑھ گئی، مجھے سردی لگ گئی اور بخار آ گیا، میں تمام رات سو بھی نہیں سکا اور سر کے درد میں مبتلا رہا، بیماری اور تنہائی سے گھبرا کر خدا سے دعا کرتا رہا۔ اس طرح میں آٹھ دن تک بخار میں پڑا رہا، کبھی کبھی بخار ہلکا بھی ہو جاتا تھا۔ میں بہت کمزور ہو گیا تھا، کھانے پینے کے لیے بھی کچھ نہ تھا، باہر جانے کی ہمت بھی نہیں تھی، لیکن بغیر جائے کام بھی کیسے چل سکتا تھا۔ بندوق لے کر نکلا اور میں نے ایک بکری کا بچہ شکار کیا اور جیسے تیسے کر کے

اسے گھر تک لایا، دوسرے دن پھر بخار نے آدبایا، پیاس کی شدت سے میرا گلا خشک ہو رہا تھا لیکن گھر میں پانی کی ایک بوند بھی نہ تھی اور میرے جسم میں اٹھ کر باہر جانے کی طاقت نہ تھی مجبوراً پیاسا ہی پڑا رہا۔

دوسرے دن بخار کچھ ہلکا پڑ گیا تھا، مجھے بھوک لگ رہی تھی، میں نے ایک ٹکڑا گوشت کا کھایا اور رات کو تین کچھوے کے انڈے کھائے۔

مجھے یاد آیا کہ ملک برازیل میں جب کسی کو بخار آتا ہے تو وہاں کے لوگ تمباکو سے اس کا علاج کرتے ہیں، صندوق میں تھوڑا سا تمباکو رکھا تھا لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ بخار کے لیے تمباکو کو کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ میں نے پہلے تو تمباکو کا پتا چبایا، لیکن اس کے چبانے سے مجھے چکر سا آنے لگا، پھر میں نے یہ کیا کہ دو تین پتے شراب میں بھگو دیے اور سوتے وقت اسے پیا، تیسری ترکیب یہ کی کہ تمباکو کے پتوں کی دھونی ناک میں لی اور چادر لپیٹ کر لیٹ رہا۔

سوتے وقت جو تمباکو شراب میں بھیگا ہوا پیا اس کا اثر یہ ہوا کہ مجھے بہت گہری نیند آئی اور میں تمام رات اور اگلے دن تک سوتا رہا بلکہ دوسری رات بھی نہ جاگا اور تیسرے روز دن چڑھے اُٹھا۔ جاگنے پر میں نے اپنے آپ کو تندرست محسوس کیا۔ اس دن مجھے بھوک بھی خوب لگی۔

اب میرا بخار جاتا رہا اور میں بالکل اچھا ہو گیا، لیکن جسمانی کمزوری باقی تھی، رفتہ رفتہ میرے جسم میں پہلے جیسی طاقت آگئی اور میں بالکل اچھا ہو گیا، اب میں خدا سے دعا کیا کرتا تھا کہ جس طرح مجھے بیماری سے نجات دلائی ہے اسی طرح اس ویران جزیرے کی قید سے بھی نجات دلائے۔

مجھے اس جزیرے میں رہتے ہوئے اب دس مہینے بیت چکے تھے دوسرا مکان بنانے اور نئی نئی جگہوں کے دیکھنے کے شوق میں میں نے سارا جزیرہ چھان مارا، مجھے

یقین ہے کہ مجھ سے پہلے کسی دوسرے انسان نے اس جزیرہ پر اب تک قدم نہیں رکھا تھا۔

میں ایک پہاڑی پر گیا، اس پر طرح طرح کے میوہ دار پیڑ تھے۔ اس کے علاوہ ککڑیاں، پھوٹ اور خربوزے وغیرہ زمین پر بچھے پڑے تھے۔ انگور کی شاخوں میں گچھے لٹک رہے تھے، انگور پاکر میرا دل بہت خوش ہوا۔ میں نے احتیاط سے کھائے کیوں کہ زیادہ کھانے سے بخار آجاتا ہے۔ میں نے بہت سارے انگور توڑ کر دھوپ میں سکھائے اور منقیٰ بنا لیے۔ اس کے آگے اور بھی اچھی جگہ تھی، میں نے یہاں سے لیمو توڑے۔ لیمو کا عرق پانی میں ملاکر پینے سے پانی بہت ذائقہ دار لگا۔

دوسری بار میں تھیلی لے کر گیا اور بہت سارے لیمو توڑ لایا، انگوروں کے گچھے محفوظ کرنے کے لیے میں نے ان پر تھیلیاں چڑھا دیں، یہ جگہ مجھے اتنی اچھی لگی کہ میں نے ایک بار تو یہ فیصلہ کیا کہ میں یہیں پر گھر بنا کر رہوں اور سارا سامان اٹھا لاؤں، لیکن جب غور کیا تو میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ میرا پہلے والا مکان ہی مناسب جگہ پر ہے۔ اگر قسمت نے میرا ساتھ دیا تو میری رہائی کا دارومدار سمندر سے ہی وابستہ ہے، اور سمندر کے قریب رہنے ہی سے مجھے یہ موقع مل سکتا ہے۔ یہ سوچ کر میں نے یہاں پر مکان بنانے کا ارادہ چھوڑ دیا، لیکن چوں کہ میرا دل اس جگہ پر خوب لگتا تھا اس لیے میں کبھی کبھی یہاں پر آجایا کرتا تھا اور دو چار دن رہ جاتا تھا۔ میں نے ایک درخت پر مچان بنالی تھی رات کو اسی پر سوجایا کرتا تھا، اس طرح میرے پاس دو مکان تھے ایک سمندر کے کنارے والا اور دوسرا جنگل میں۔

۳۰ر ستمبر کو مجھے اس جزیرہ میں آئے ہوئے پورا ایک سال بیت گیا تھا، اس تاریخ کو میں ہر سال روزہ رکھا کرتا تھا۔

بارش میں، میں نے دھان اور جو بوئے۔ کھیت تیار کرنے کے لیے زمین کو ملائم

کیا۔ کھیت کے دو حصّے کیے۔ ایک میں دھان اور دوسرے میں جو بوئے۔ لیکن ایک مُٹھی دھان اور جو میں نے بچا کر رکھ لیے۔ یہ دھان اور جَو کی فصل بارش نہ ہونے کی وجہ سے خراب ہوگئی۔ بچے ہوئے جَو اور دھان میں نے فروری کے مہینے میں بوئے مارچ اور اپریل کی بارش کا پانی پی پی کر دھان اور جو کے پودے بڑھ گئے۔ اور بڑی اُمیدوں کے بعد جب فصل تیار ہوئی تو تقریباً آدھ پاؤ یا کچھ زیادہ اناج دست یاب ہوا۔ میرا یہ پہلا تجربہ تھا اور کامیاب رہا تھا۔ اس لیے میں نے اگلے سال دو فصلیں اگانے کا فیصلہ کیا۔

گھر کے چاروں طرف میں نے لکڑی کی شاخیں کاٹ کر گھیرے کی صورت میں گاڑ دی تھیں، برسات میں ان میں نئی شاخیں پھوٹیں اور دو تین سال کے عرصہ میں وہ بڑے بڑے درختوں کی شکل اختیار کر گئیں۔ میں نے اسی قسم کا ایک اور گھیرا تیار کیا۔ اور اس طرح یہ گھیرا دوہرا ہوگیا اور خوب سایہ دار بن گیا۔ گرمیوں کے موسم میں سایہ اور ٹھنڈک رہنے لگی۔ میرا مکان ایک محفوظ اور سایہ دار پناہ بن گیا۔

مجھے یہاں کے موسموں کا اب اچھی طرح اندازہ ہوگیا تھا۔ سال میں چار موسم ہوتے تھے۔ چوں کہ برسات کے موسم میں بخار اور جسم میں درد کی شکایت رہتی تھی اس لیے برسات کا موسم بہت احتیاط کے ساتھ گزارتا تھا۔ میں ضرورت کی تمام چیزیں برسات کے شروع ہونے سے پہلے ہی اکٹھا کر لیتا تھا۔

مجھے غلہ رکھنے اور مٹی پھینکنے کے لیے ٹوکروں کی ضرورت تھی۔ میں نے ایک درخت کی چھوٹی چھوٹی شاخیں کاٹیں، لیکن جب میں نے ان شاخوں کو ٹوکرا بنانے کے لیے موڑا تو وہ ٹوٹ گئیں۔ تب میں نے اپنے مکان کے گھیرے والے درختوں کی نرم نرم شاخوں سے ٹوکریاں بنانے کا ارادہ کیا۔ گو اس سے پہلے میں نے ٹوکری بنانے کا باقاعدہ کام نہیں سیکھا تھا، لیکن بچپن میں اپنے پڑوسی کے یہاں یہ کام ہوتے ہوئے دیکھا

ضرور تھا۔ میں کبھی کبھی یوں ہی کھیل کھیل میں اپنے ہمسایہ کا ہاتھ ٹوکریاں بنانے میں بٹاتا تھا۔ خوش قسمتی سے بچپن کا وہ ہاتھ بٹانا میرے کام آ گیا۔ اب میرے پاس چھوٹی بڑی کئی ٹوکریاں تھیں، ان ٹوکریوں میں ہر قسم کا سامان رکھتا تھا اور ان ہی سے مٹی پھینکنے کا کام بھی لیتا تھا جب غلہ زیادہ ہونے لگا، تو میں ان کو تھیلیوں کے بجائے ٹوکریوں میں ہی رکھا کرتا تھا۔ جب بھی کوئی ٹوکری ٹوٹتی تو میں نئی بنا لیا کرتا تھا۔

میں نے ایک طوطا پالا تھا، وہ میرا نام رٹا کرتا تھا، یہ طوطا بہت دنوں تک زندہ رہا۔

میں روزانہ بندوق اور چھرہ، بارود لے کر جنگل میں نکل جاتا تھا، میرے ساتھ میرا کتا بھی ہوتا تھا، تھیلے میں تھوڑے سے منقے بھی رکھ لیتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ میں دُور نکل جاتا اور رات کسی پیڑ پر بسر کرتا، اور کئی دن کے بعد گھر واپس آتا، اس طرح میں نے گھوم پھر کر سارے جزیرے کو دیکھ لیا تھا۔ میرے جزیرے سے بیس پچیس میل کے فاصلہ پر ایک اور جزیرہ تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ امریکہ کا ہی کوئی حصہ ہے جہاں آدم خوروں کی بستیاں ہیں۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ میرا جہاز اس جزیرہ ہی میں تباہ ہوا، اگر میں دوسرے جزیرے میں جا پھنستا تو آدم خور نہ جانے کب کا مجھے اپنا نوالہ بنا چکے ہوتے۔

ایک بار میں نے ایک بکری کا بچہ جنگل سے پکڑا۔ وہ رفتہ رفتہ مجھ سے مانوس ہو گیا۔ میرے ہاتھ سے چارہ کھاتا تھا اور میرے ساتھ گھومتا پھرتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں بہت ساری بکریاں پالوں گا

میں نے جو ایک طوطے کا بچہ پالا تھا وہ بھی اب بڑا ہو گیا تھا۔ میں خالی وقت میں اس کو پڑھایا کرتا تھا۔ یہ طوطا خوب بولتا تھا۔ میں گھر کے ایک فرد کی طرح سے اس سے محبت کرتا تھا۔ میں نے طوطے کے لیے ایک پنجرہ بھی تیار کیا تھا۔

میں جب بہت رنجیدہ ہوتا تو بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو لیتا تھا اور اس طرح دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا تھا۔ کبھی کبھی تنہائی میں اپنے آپ سے باتیں کرتا تھا میں کبھی کبھی انجیل مقدس نکال کر اس کی تلاوت بھی کیا کرتا اور خدا سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتا تھا کہ وہ مجھے اس تنہائی کی قید سے نجات دلائے۔

اب مجھے اس جزیرہ میں رہتے ہوئے دو سال بیت گئے تھے اور تیسرا سال شروع ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لیے وقت کو تقسیم کر لیا تھا سب سے پہلے تو میں انجیل مُقدس کی تلاوت کرتا تھا۔ اس کے بعد شکار کو نکل جاتا تھا اور جو شکار ملتا اس کو پکاتا اور کھانا کھاتا۔ دوپہر کے وقت گرمی بہت ہوتی تھی اس وجہ سے وقت میں گھر پر ہی گزارتا تھا۔ کبھی کبھی دوپہر کے بعد شکار کو نکلتا۔ گھر پر بھی کام کرتا، فالتو وقت میں طوطے کو پڑھایا کرتا۔ اوزاروں کی کمی ہونے کی وجہ سے۔ اور کوئی دوسرا مددگار نہ ہونے سے چھوٹے چھوٹے کاموں میں وقت بہت لگتا تھا، مثلاً اپنے مکان میں مجھے ایک لکڑی کی الماری بنانی تھی، لکڑی کے تختے بنانے اور لگانے میں مجھے ایک مہینہ لگا۔

میں نے غلّہ اُگانے کے لیے زمین تیار کی، مینڈھ باندھی، کدال ٹھیک کی، ہل کا کام میں نے لکڑی سے لیا۔ یہاں پر ایک قسم کا درخت ہوتا ہے جس کو برازیل کے لوگ لوہا لکڑی کہتے ہیں۔ اس کی لکڑی بہت بھاری اور مضبوط ہوتی ہے۔ میں نے اسی لکڑی کا ہل بنایا تھا۔

دھان اور جَو کے کھیت تیار ہونے پر میں نے فصل بو دی اور بارش میں ان کے انکھوے نکلنا شروع ہوئے۔ مجھے اُمید تھی کہ اس مرتبہ فصل بہت اچھی ہو گی، چوپایوں اور جنگلی جانوروں سے حفاظت کے لیے میں نے اپنے کتے کو مقرر کر دیا تھا، وہ کھیت کی رکھوالی کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ کئی جنگلی جانوروں کو میں نے بندوق سے مار بھی ڈالا

تھا۔ لیکن خرگوش اور پرندے ہر وقت کھیت پر دھاوا بولتے رہتے تھے۔ میں نے کھیت کے لیے بہت محنت کی تھی، اور بہت پسینہ بہایا تھا۔ چوپایوں سے تو میں نے کسی نہ کسی طرح کھیت کو بچالیا تھا، لیکن پرندوں کی طرف سے مجھے بہت فکر رہتی تھی۔ خدا خدا کر کے فصل پکنے کا وقت آگیا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ بہت سارے پرندے کھیت میں ہیں اور فصل کو برباد کر رہے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت قلق ہوا کہ ان موذیوں سے ایک دانہ بھی نہیں بچ سکے گا۔ میں نے تین چار پرندے گولی سے مارے اور الٹا کر کے کھیت کے بیچوں بیچ لٹکا دیا۔ اس کا اچھا نتیجہ نکلا اور ڈر کے مارے پھر کوئی پرندہ کھیت میں نہیں اترا۔

دسمبر کے آخر میں فصل کاٹنے کا وقت آیا۔ میں نے غلہ کاٹنے کا فیصلہ کیا، لیکن میرے پاس فصل کاٹنے کے لیے ہنسیہ نہیں تھا۔ میں نے ایک تلوار توڑ کر ہنسیے کا کام لیا، بالیوں کو توڑ کر ٹوکریوں میں بھر دیا۔ بہت سارا غلہ دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہوگیا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اب میرے پیٹ بھرنے کا انتظام ہوگیا۔

لیکن روٹی اور سالن تیار کرنے کے لیے مجھے کئی چیزوں کی ضرورت تھی مثلاً آٹا تیار کرنے کے لیے چکی، آٹا چھاننے کے لیے چھلنی، روٹی بنانے کے لیے توا، نیز نمک اور گھی وغیرہ چاہیے تھا۔ اس کے علاوہ زمین کو جوتنے کے لیے لوہے کا ہل وغیرہ۔ لیکن میں نے اپنا کام چلانے کے لیے کوئی نہ کوئی ترکیب نکال ہی لی تھی، اس کے بارے میں، میں بعد میں بتاؤں گا۔

مجھے برتنوں کی بھی سخت ضرورت تھی۔ اب تک میری سمجھ میں کوئی ترکیب نہیں آئی تھی کہ کس طرح بناؤں، آخر میں نے ایک دن برتن بنانے کا ارادہ کیا کیوں کہ بغیر برتنوں کے میرے لیے کام چلانا مشکل ہوگیا تھا۔ گرمی کا موسم تھا، مجھے ایک جگہ چکنی مٹی مل گئی، میں نے ایک گول سا برتن تیار کیا اور اسے دھوپ میں سکھا لیا۔ یہ بہت بھدا

اور بھاری تھا، لیکن اس میں سوکھی چیزیں رکھی جا سکتی تھیں، اسی طرح میں نے بڑے بڑے برتن بنانے کی کوشش کی لیکن میری محنت اکثر بے کار ہو جاتی تھی بعض برتن بنانے کے فوراً بعد ہی ٹوٹ جایا کرتے تھے۔ کبھی سوکھ کر بکھر جاتے، صرف ایک دو ہی استعمال کے قابل ہو پاتے تھے۔ ان برتنوں میں پانی یا شوربہ وغیرہ تو رکھا ہی نہیں جا سکتا تھا اور نہ ہی کوئی سالن پکایا جا سکتا تھا۔

میں نے سوچا کہ چھوٹی ہانڈیاں بناؤں اور ان کو آگ پر پکالوں اس طرح وہ پختہ ہو جائیں گی اور مضبوط بھی ہو جائیں گی۔ میں نے ایک بھٹی تیار کی جس میں کئی برتن پک سکیں۔ حالاں کہ میں کمہاروں کے فن سے واقف نہ تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ وہ کس طرح برتنوں کو پکا کر ان پر سیسہ کرتے ہیں لیکن آگ میں پکانے کا عمل میرے ذہن میں تھا۔ میں نے چند ہانڈیاں، تلے اوپر رکھ کر چاروں طرف سے آگ لگا دی اور دیکھتا رہا کہ زیادہ آگ اور آنچ سے وہ چٹکنے اور پھٹنے نہ پائیں۔ آخرکار میری محنت کام آئی اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ پانچ ہانڈیاں بالکل ٹھیک تیار ہو گئیں البتہ ان میں سے ایک ضرور کچھ خراب ہو گئی تھی۔

اب مجھے جس طرح کی چھوٹی یا بڑی ہانڈی کی ضرورت ہوتی تھی بنا لیتا تھا۔ میرے پاس کمہاروں کا چاک نہیں تھا اس لیے میری بنائی ہوئی ہانڈیاں خوب صورت اور سڈول نہیں ہوتی تھیں لیکن ایسی بُری بھی نہیں ہوتی تھیں، بہر حال میرا کام چل جاتا تھا۔ میں نے پہلی بار ہانڈی میں بکری کے گوشت کا شوربہ تیار کیا، نمک مرچ نہ ہونے کی وجہ سے یہ شوربہ بہت لذیذ نہ تھا لیکن شوربہ تیار کر کے جب میں نے اسے پیا تو مجھے بڑا مزا آیا۔

آٹا پیسنے کے لیے چکی اور چھاننے کے لیے چھلنی کہاں سے آئے۔ میں نے بہت تلاش کیا کہ کوئی سخت پتھر مل جائے تو اس کی چکی بنانے کی کوشش کروں۔ لیکن اول تو مجھے کوئی ایسا مناسب پتھر نہ مل سکا جس کی چکی بن سکتی۔ اگر مل بھی جاتا تو اس کو کاٹنے اور

راندے نے کی بھی مشکل تھی۔ میں نے لوہا لکڑی کی ایک اوکھلی بنائی اور اسی لکڑی کا موسل بنایا۔ اس اوکھلی میں ڈال کر جَو کوٹ لیتا تھا۔ ایک درخت کی چھال کی جھلّی سے میں نے اپنی چھلنی بنائی۔ اب تو ارہ گیا تھا۔ اس کی ترکیب یہ کی کہ مٹّی کا ایک کونڈا بنایا۔ کوئلے دہکا کر اس کے اوپر اس کونڈے کو رکھ دیتا تھا اور اس کے چاروں طرف انگارے لگا دیتا تھا۔ جب یہ کونڈا خوب گرم ہو جاتا تھا تو اس پر جَو کے آٹے کی روٹیاں سینک لیا کرتا تھا۔ اس طرح یہ روٹیاں خوب مزیدار اور رسلی ہوئی پکتی تھیں۔ چاول اُبالنے کے لیے ہانڈی کافی تھی۔

جب میرے پاس بہت غلّہ ہونے لگا تو میں نے غلّہ رکھنے کے لیے مٹّی کی بڑی بڑی کُٹھلیاں بنائیں تاکہ غلّہ حفاظت سے رہے اور خراب نہ ہونے پائے۔

ایک بار میں نے سوچا کہ اگر میں یہاں سے نکل کر کسی قریب یا دور کے جزیرے تک پہنچ جاؤں تو ممکن ہے رہائی کی کوئی تدبیر نکل آئے۔ اُس وقت مجھے وہ کشتی یاد آئی جس پر میں اور میرے بدقسمت ساتھی جہاز چھوڑ کر بیٹھے تھے اور میرے علاوہ سب ڈوب گئے تھے۔ وہ کشتی ریت میں دبی پڑی تھی۔ میں چار ہفتے تک اس کشتی کو ریت سے نکالنے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہ اتنی بھاری تھی کہ میں اکیلا اس کو ہلا بھی نہ سکتا تھا۔ آخر میں نے کشتی کو ہٹانے کا خیال ہی چھوڑ دیا۔

آخر میں نے سوچا کیوں نہ ایک چھوٹی سی ڈونگی تیار کی جائے۔ میں جنگل میں گیا اور وہاں میں نے ایک درخت کو چُنا جس کی ڈونگی تیار ہو سکے۔ اور بغیر یہ سوچے سمجھے کہ جب یہ ڈونگی تیار ہو جائے گی تو اسے جنگل سے سمندر تک کس طرح لے جاؤں گا، اس کے بنانے میں جُٹ گیا، کیوں کہ میرے دماغ میں بس اب یہ دھن سما گئی تھی کہ اگر میں ڈونگی بنا لوں تو میں اس قید سے رہائی پا سکتا ہوں۔ درخت کاٹنے میں مجھے بائیس دن لگے۔ چودہ دن میں اسے پولا کیا اور ایک مہینے کی مدّت میں اس کی پیندی ناؤ کے مانند تیار کی۔ تین مہینے میں اسے

اوپر سے نیچے تک صاف کیا۔ اب ڈونگی تیار ہو گئی۔ یہ ڈونگی خاصی بڑی تھی اور اس میں کئی آدمی بیٹھ سکتے تھے، لیکن میری ساری محنت بے کار چلی گئی، کیوں کہ یہ ڈونگی جنگل سے سمندر تک نہیں جا سکتی تھی۔ میں نے بہت ترکیبیں کیں لیکن کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی۔ مجھے اپنی محنت کے برباد ہونے کا بہت قلق ہوا، آخر میں نے اس ڈونگی کو وہیں چھوڑ دیا۔

اب مجھے اس جزیرہ میں رہتے ہوئے چوتھا سال بیت گیا تھا۔ میرے پاس ضرورت کی ساری چیزیں موجود تھیں۔ میں اپنے آپ کو یہاں کا راجا کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ میرے علاوہ یہاں کوئی دوسرا نہ تھا۔ میں آزاد تھا اور اپنی مرضی سے سارا کام کرتا تھا۔ میرے پاس غلہ کی کوئی کمی نہ تھی۔ میں صرف اتنا ہی غلہ پیدا کرتا تھا جتنی کہ مجھے ایک سال کے لیے ضرورت ہوتی تھی، یہاں لکڑی کی بھی کوئی کمی نہ تھی، یہاں اتنی ساری لکڑی تھی کہ جہازوں کا ایک بیڑا تیار ہو سکتا تھا۔ منقے اور کشمش اتنی زیادہ تھی کہ کئی جہاز لاد کر بھیجے جا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ میرے پاس سونا چاندی اور نقدی بھی تھی لیکن یہ سارا سامان فضول سا تھا۔ میں صرف ایک مٹھی تمباکو، پائپ اور آٹا پیسنے کی چکی کے لیے مُنہ مانگی قیمت دینے کو تیار تھا اور گاجر و شلغم کے بیجوں کے بدلے اپنی ساری دولت دے سکتا تھا۔

مجھے اب اس جزیرہ میں اکیلے رہتے رہتے پانچ سال پورے ہو گئے تھے۔ میری زندگی کے دن آرام سے گزر رہے تھے، سال بھر کے خرچ کا غلہ اگا لیتا تھا اور انگور سکھا کر منقے بنا لیا کرتا تھا۔ روزانہ بندوق لے کر شکار کو نکل جاتا تھا۔ میں نے ایک چھوٹی ڈونگی بھی بنانا شروع کی۔ جب ڈونگی بن کر تیار ہو گئی تو میں نے ڈونگی کی جگہ سے تین ہاتھ چوڑی اور ڈھائی ہاتھ گہری ایک نالی کھود دی اور ندی فرلانگ پر جو نالا تھا اس سے ملا دیا۔ اس طرح یہ ڈونگی آسانی سے پانی تک پہنچ گئی۔ اس کام میں مجھے دو سال لگے۔ میری خواہش تھی کہ میں کسی طرح سے یہاں سے نکل کر کسی دوسرے جزیرے تک پہنچ جاؤں، شاید وہاں رہائی کی کوئی صورت نکل آئے۔ لیکن یہ ڈونگی بہت چھوٹی تھی اور گہرے سمندر میں سفر نہیں کر سکتی

تھی۔ میں نے ڈونگی میں پال لگائے اور مستول جڑے۔ ٹوٹے ہوئے جہاز سے لائے ہوئے وزنی لوہے کے ٹکڑے کا لنگر بنایا۔ ڈونگی کے پچھلے حصے میں صندوق بنائے۔ بندوق رکھنے کی جگہ بنائی تاکہ پانی سے بچی رہے۔ اب ڈونگی سفر کرنے کے قابل تھی اور میں کبھی کبھی اس پر بیٹھ کر سمندر کے کنارے کنارے گھومنے نکل جاتا تھا، لیکن بہت دور تک نہیں جاتا تھا۔

ایک بار میں نے ٹاپو کے چاروں طرف گھومنے کا ارادہ کیا، اور کھانے پینے کا سامان کشتی میں رکھ کر نکل پڑا، اس سفر میں کئی روز لگ گئے، حالاں کہ یہ جزیرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ پورب کی طرف ایک پہاڑ تھا اس کی چٹانیں پانی میں اُبھری ہوئی تھیں۔ میں نے اپنی کشتی کا رُخ اس طرف کر دیا۔ ایک نکلی ہوئی چٹان کے ساتھ میں نے کشتی کو باندھ دیا اور اوپر چڑھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک تیز پانی کی دھار پورب کی سمت کو بہہ رہی ہے اور قریب ہی ایک بڑا سا گرداب پانی میں پڑ رہا ہے۔ اگر میں ذرا دور اور آگے بڑھ جاتا تو میں اور میری کشتی دونوں ڈوب جاتے۔

اُس وقت ہوا بھی بہت تیز چل رہی تھی اور سمندر کا پانی موجیں مار رہا تھا اس لیے مجبوراً مجھے دو دن تک اس جگہ رکنا پڑا، تیسرے روز جب ہوا کم ہو گئی تو میں نے ڈونگی کھول دی اور چل پڑا۔ لیکن پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا اور ہوا بھی میری چھوٹی سی ڈونگی کے لیے بہت تیز تھی۔ دوسرے اس جگہ سمندر بھی گہرا تھا۔ میں باوجود کوشش کے ڈونگی کو نہ روک سکا اور ڈونگی گہرے اور کھلے سمندر میں جا نکلی اور میرے قابو سے باہر ہو گئی۔ قریب ہی گہرا بھنور پڑتا تھا۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس وقت ہوا اس بھنور کی طرف نہیں چل رہی تھی اس لیے ڈونگی اُدھر نہیں گئی۔ لیکن گہرے اور کھلے سمندر میں اس چھوٹی سی کشتی کے ساتھ سفر کرنا بڑا خطرناک تھا۔ کسی وقت بھی کوئی بڑی سی موج اُسے اُلٹ سکتی تھی۔ اور اگر دور سمندر میں چلی جاتی تو میرا بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرجانا یقینی تھا۔ میرے پاس بہت تھوڑا سا کھانا تھا اور ایک صراحی پانی تھا۔

اگر میں سیکڑوں میل پچھلے سمندر میں بھٹک جاتا تو میرا یہ سامان کتنے دنوں تک ساتھ دے سکتا تھا۔ یہ سب سوچ سوچ کر میں گھبرا رہا تھا اور اپنے اوپر لعنت بھیجتا تھا کہ میں اپنے جزیرے سے نکلا ہی کیوں تھا، نہ نکلتا نہ یہ مصیبت آتی۔

خدا کی مہربانی سے ہوا کا رُخ بدل گیا، میں نے پال چڑھا دیے، کشتی تیزی کے ساتھ پھر کر شمال کی سمت کو ہو گئی، میں شام تک کنارے پر پہنچ سکا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ میں نے کشتی کو ایک محفوظ جگہ پر باندھا اور پہاڑی پر چڑھ گیا۔ مجھے یہ جان کر تسلی ہوئی کہ میرا دوسرا گھر اس جگہ سے زیادہ دور نہیں ہے جو تلاش کرنے پر مل گیا۔ میں بہت تھکا ہوا تھا اس لیے میں پڑ کر سو رہا۔ مجھے ایسا لگا کہ کوئی میرا نام لے کر پکار رہا ہو۔

"کرُدسو! کرُدسو! تو کہاں گیا تھا"؟

میں نے ایک دوبار آنکھیں کھولیں اور پھر سو گیا اور اس آواز کو وہم سمجھا، لیکن یہ میرا وہم نہ تھا، میرا پیارا توتا میرے کندھے پر بیٹھا تھا اور اتنے دنوں کے بعد مجھے پا کر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ میں نے توتے کو اپنے ساتھ لیا اور اپنے غار والے گھر میں آگیا اور اطمینان کا سانس لیا۔ سال بھر تک پھر سمندر میں سفر کرنے کا خیال بھی میرے دل میں نہیں آیا اور گھر کے کاموں میں مشغول رہ کر وقت گزارنے لگا۔ گو میرے پاس سارے اوزار نہ تھے لیکن تھوڑے بہت جو تھے اُن کی مدد سے بڑھئی کا کام اچھی طرح کر لیتا تھا۔

میں نے کمہاروں کا ایک چاک بھی بنا لیا تھا جس کی مدد سے طرح طرح کے اچھے برتن بنا لیتا تھا، مگر جیسی خوشی مجھے ایک حقہ بنا کر ہوئی تھی، ویسی خوشی بہت ساری دوسری چیزیں بنا کر بھی نہیں ہوئی تھی حقّہ کے شغل سے میرا وقت مزے کے ساتھ گزرنے لگا تھا۔

میں نے بکریاں پالیں

مجھے اس ویران جزیرہ میں رہتے ہوئے اب پورے گیارہ سال گزر چکے تھے۔ اب میرے پاس بہت کم بارود رہ گئی تھی۔ بکریاں پالنے کا خیال میرے ذہن میں تھا، لیکن اب تک میں ٹالتا رہا تھا، مگر اب مجھے بارود کے ختم ہو جانے کا خوف تھا، اور بغیر بارود کے شکار ناممکن تھا، اس لیے میں نے بکریاں پکڑنے کا ارادہ کیا اور ایک طرح کا جال بنایا تاکہ اس کی مدد سے بکریوں کو پکڑ سکوں۔ اس جال کو میں نے جنگل میں، بکریوں کے چرنے کی جگہ پر بچھایا لیکن کئی دن تک اس میں ایک بھی بکری نہیں پھنسی، تب میں نے گڈھے کھودے اور ان کے اوپر گھاس پھوس بچھا کر اس کو ڈھک دیا اور اس پر جو کی بالیاں ڈال دیں اس ترکیب سے میں نے تین بکری کے بچے پکڑے۔ ایک بکری بھی پکڑی تھی لیکن وہ مارنے کو دوڑتی تھی اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا تھا۔

میں نے بکری کے بچوں کو بہت توجہ کے ساتھ پالا۔ پہلے دو روز تک ان بچوں نے کچھ نہیں کھایا لیکن وہ پھر کھانے لگے اور پھر تو نئے دھان کھا کھا کر خوب موٹے ہو گئے اب میں نے اپنی ساری توجہ اور محنت بکریوں کو پالنے میں لگا دی تھی کیوں کہ گوشت میری صحت اور زندگی کے لیے بہت ضروری غذا تھی۔

میں بکریاں پالنے کے معاملے میں ذرا نا تجربہ کار تھا۔ چناں چہ شروع شروع میں ایسا ہوتا تھا کہ میں بکریاں پالتا اور جب وہ مجھ سے مانوس ہو جاتیں تو میں ان کو چارہ کھانے کے لیے جنگل میں چھوڑ دیتا تھا۔ وہ کم بخت جنگلی بکریوں کی ساتھ مل کر پھر جنگلی ہو جاتی تھیں اور مجھ سے دور بھاگنے لگتی تھیں۔ میں نے یہ دیکھ کر بکریوں کے لیے ایک باڑا بنانے کا ارادہ کیا۔ یہ کام اکیلے ایک آدمی کے بس کا نہ تھا لیکن باڑے کے بغیر میری ساری محنت بے کار تھی اس لیے میں نے ایسی مناسب جگہ کی تلاش شروع کر دی جہاں سایہ اور دھوپ بھی ہو، اور وہ جگہ محفوظ بھی ہو۔ خوش قسمتی سے مجھے ایک بہت اچھی جگہ مل گئی۔ اس جگہ پانی کے تین چشمے تھے۔ گھاس اور جھاڑیاں بھی تھیں اور یہاں دھوپ بھی آتی تھی، اس کے علاوہ وہاں پر سایہ دار پیڑ بھی تھے۔ یہ زمین کا حصہ کافی لمبا اور چوڑا بھی تھا۔ میں نے تقریباً سو ہاتھ لمبا اور چوڑا ایک گھیر ابنایا۔ اس کو بنانے میں مجھے تین مہینے لگے۔ یہ اتنا بڑا تھا کہ کچھ برسوں کے بعد جب بکریوں کی بہت بڑی تعداد ہو گئی تو وہ اس میں آسانی سے آجاتی تھیں۔

دو سال میں تین بکریوں سے بارہ بکریاں ہوئیں اور تیسرے سال جب میں نے حساب لگایا تو میرے پاس پینتالیس بکریاں تھیں۔ ان میں وہ بکریاں شامل نہیں تھیں جو میں ذبح کر کے کھا چکا تھا۔

بکریاں پالنے سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ گوشت کے علاوہ مجھے دودھ اور مکھن بھی مل جاتا تھا۔ میں نے پہلے نہ تو کبھی بکریاں پالی تھیں اور نہ ہی مکھن وغیرہ نکالنا جانتا تھا لیکن اب یہ ہنر مجھے اپنے آپ آگیا تھا۔ میں اس پاک پروردگار کا شکر ادا کرتا تھا جس نے مجھے یہ ساری نعمتیں بخشی تھیں۔

میں اپنے آپ کو اس ٹاپو کا راجا خیال کرتا تھا جس کا کوئی مخالف اور دشمن نہ تھا۔ میں جب کھانے کی میز پر بیٹھتا تھا تو میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتا تھا اس وقت میرے مصاحب

بھی میرے چاروں طرف بیٹھے ہوتے تھے، طوطے کو یہ اجازت تھی کہ وہ وزیر کی طرح مجھ سے بات چیت کرے۔ میرا بوڑھا کتا میری داہنی طرف کو بیٹھا کرتا تھا، دو بلیاں ہوتی تھیں ایک میز کی ایک طرف ہوتی تھی اور دوسری بلی میز کی دوسری طرف بیٹھا کرتی تھی۔ یہ سب مجھ سے روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کی اُمید لگاتے ہوئے بیٹھے رہتے تھے۔ یہی میرے ساتھی اور دوست تھے۔ میرے پاس بہت ساری چیزیں تھیں، لیکن ایک انسان کی کمی تھی جس کی صورت کو میں ترستا رہتا تھا۔

میرے پاس اب بھی میری چھوٹی سی ڈونگی تھی، لیکن میں اس میں سفر کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔ ہاں کبھی کبھی اس میں بیٹھ کر کنارے کنارے، جزیرے کے قریب ہی گھوم آتا تھا اور زیادہ دور نہ جاتا تھا۔

میرا حُلیہ ایسا عجیب اور مضحکہ خیز ہو گیا تھا کہ اگر میں اسی حُلیہ میں شہر لندن پہنچ جاتا تو سارے لندن کے لوگ میری عجیب شکل و صورت کو دیکھنے کے لیے اکٹھا ہو جاتے، میرے سر پر بکری کی کھال کی لمبی سی ٹوپی تھی، جس کے پیچھے کی طرف ایک چمڑا لٹکا رہتا تھا۔ اس کے پہننے سے میں دھوپ سے بچا رہتا تھا اور بارش کا پانی اس پر سے بہہ جاتا تھا۔ بدن پر بکری کی کھال کا ایک لمبا سا کرتا، گھٹنوں تک کا تھا، اور بکری ہی کی کھال کا پاجامہ تھا، جو ایڑیوں کو چھوتا تھا۔ پیر میں جوتا اور موزہ تو نہیں تھا لیکن جوتا نام کی ایک چیز ضرور تھی۔ بکری کی کھال کی لمبی سی پیٹی کا کمر بند تھا جسے میں کمر میں لپیٹ کر اوپر سے ایک رسّی سے کس لیا کرتا تھا۔ اس میں دو سوراخ تھے، ایک میں کلہاڑی اور دوسرے میں آری لٹکتی رہتی تھی۔ اسی کمر پیٹی میں دو تھیلیاں بھی لٹکا لیتا تھا، ایک میں بارود اور دوسری میں چھرّا اور گولی رکھ لیتا تھا۔ اس کے علاوہ پیٹھ پر ایک ٹوکری بھی ہوتی تھی۔ کندھے پر بندوق اور دھوپ سے بچنے کے لیے کھال کا بنا ہوا چھاتا رہتا تھا۔ میری ہاتھ بھر کی لمبی داڑھی تھی یہ تھا میرا حُلیہ۔ پہلی نظر میں تو میں کسی دوسری ہی دنیا کا آدمی لگتا تھا۔

ایک دن میں نے سمندر کے کنارے آدمی کے پیر کا نشان دیکھا۔ یہ نشان دیکھ کر مجھے بے حد تعجب ہوا۔ مارے خوف کے میرا بُرا حال ہوگیا، جیسے گویا میں نے کسی بھوت پریت کو دیکھ لیا ہو۔ میں نے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور کان لگا کر سننے کی کوشش کی لیکن کہیں کچھ دکھائی یا سنائی نہیں دیا۔ پھر میں نے سمندر کے کنارے ادھر اُدھر خوب غور سے دیکھا لیکن کہیں اور مجھے پیروں کے نشان نظر نہیں آئے۔

میں پیر کے نشان دیکھ کر ایسا ڈرا کر اسی وقت سیدھا اپنے گھر کی طرف بھاگا۔ لیکن ڈر کا یہ حال تھا کہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا جاتا تھا کہ کہیں کوئی میرا پیچھا تو نہیں کر رہا ہے۔ کبھی کسی درخت کو دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ کوئی بیٹھا ہے۔ دل میں عجیب عجیب خیالات آتے تھے۔ کسی طرح سے گھر تک پہنچا اور بستر پر جا کر پڑ رہا۔ ساری رات مجھے اچھی طرح سے نیند بھی نہیں آئی۔ بار بار اُسی پیر کے نشان کا خیال ستاتا تھا۔ میں یہ سوچ سوچ کر تھک گیا تھا کہ آخر اس ویران جگہ میں یہ نشان کس کا ہو سکتا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ وہ نشان کسی چوپایہ وغیرہ کا ہوگا۔ اگر کوئی انسان آجاتا تو جہاز یا کشتی پر آتا اور اس کے پیر کے دوسرے اور نشانات بھی ہوتے۔

پھر یہ خیال آیا کہ ہو سکتا ہے قریب ہی جو دوسرے ٹاپو ہیں ان میں جو آدم خور بستے ہیں۔ اُن میں سے کوئی یہاں آیا ہو اور میری کشتی دیکھ کر واپس چلا گیا ہو۔ وہ اپنے قبیلہ کے دوسرے ساتھیوں کو لے کر، کسی وقت یہاں آئیں اور مجھے تلاش کر کے پکڑ لیں اور مار ڈالیں۔ یا اگر میں ان کے ہاتھ نہ آؤں تو وہ میری بکریاں اور غلہ وغیرہ برباد کر جائیں اور میرا گھر جلا ڈالیں۔ دونوں صورتوں میں میرا ہلاک ہو جانا لازمی ہے۔

کئی روز تک اس قسم کے خیالات مجھے پریشان کرتے رہے۔ میں تین روز تک اپنے گھر سے بھی باہر نہیں نکلا اور نہ ہی بکریوں کا دودھ دوہنے باڑے تک گیا۔

ایک دن میں نے ٹھنڈے دل سے سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ میرے ہی پیر کا نشان ہو۔ یہ

سوچ کر میں مطمئن سا ہوگیا۔ میں سمندر کے کنارے گیا اور اس نشان کو اپنے پیر سے ناپا تو وہ نشان میرے پیر کے نشان سے بڑا نکلا۔ یہ معلوم کر کے میرا خوف تازہ ہوگیا، اور اب مجھے یقین ہوگیا کہ یہ کسی آدم خور کے پیر ہی کا نشان ہے تو آدم خوروں کا غول کسی وقت آکر مجھے ہلاک کر سکتا ہے۔ میری بکریاں پکڑ کر میرے مکان کو جلا سکتا ہے، اس سے بہتر تو یہی ہوگا کہ میں اپنا گھر خود اپنے ہی ہاتھوں سے برباد کر ڈالوں۔ خیمہ اکھاڑ پھینکوں، دھان اور جو جلا ڈالوں اور بکریوں کو جنگل میں چھوڑ دوں۔ تاکہ جب آدم خور یہاں آئیں تو کچھ بھی نہ ملے اور وہ نا اُمید ہو کر واپس چلے جائیں۔

ظاہر ہے کہ یہ میری پریشان خیالی تھی، اور مارے ڈر کے ایسا سوچ رہا تھا۔ جب میں نے سکون کے ساتھ سوچا تو یہ سمجھ میں آیا کہ جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔ میں نے بہت محنت اور مصیبتوں سے یہ مکان بنایا ہے اور بہت ساری چیزیں اکٹھا کی ہیں، یہاں مجھے بہت آرام ہے اور یہ جگہ بہت محفوظ بھی ہے۔ اوّل تو ایسی اچھی جگہ کہیں اور ملنے کی نہیں اگر مل بھی گئی تو ساری چیزیں یہاں سے لے جانا پڑیں گی جو بہت مشکل کام ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ دوسرا مکان بھی سارے خطروں سے محفوظ ہو۔ موت تو کہیں بھی آسکتی ہے اور مجھے ہر خطرہ کا ہمت کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔ جس خدا نے مجھے اب تک تمام مصیبتوں سے بچایا ہے وہ آگے بھی بچائے گا۔

آدم خور!

ایک دن میں پہاڑی پر کھڑا سمندر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے کوئی کشتی اُدھر جا رہی ہو۔ میرے پاس اس وقت دوربین نہیں تھی اس لیے میں صاف طور سے نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ کشتی ہی ہے یا کچھ اور ہے۔ میں پہاڑی سے اُتر کر جنوب و مغرب کی سمت کو چلا۔ جدھر میں نے کشتی کو دیکھا تھا۔ میں نے وہاں ایک ایسا خوفناک منظر دیکھا جو میرا دل ہلا دینے کو کافی تھا۔ وہاں آگ کے الاؤ کے قریب انسانوں کے ہاتھوں پیروں

اور سروں کی ہڈیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ یہاں آدم خور اپنے دشمنوں کو پکڑ کر لاتے ہیں اور ان کو مار کر گوشت بھون کر کھاتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ہمارا جہاز ایسے ٹاپو میں ڈوبا تھا جہاں سے آدم خور دور رہتے تھے ورنہ وہ کب کا مجھے کھا ہی چکے ہوتے۔

اس واقعہ کے بعد اور اس منظر کو دیکھنے سے میری طبیعت بہت پریشان رہی اور دو سال تک میں اپنے گھر کے قریب ہی رہا۔ اور ان آدم خوروں کے دعوت کھانے کے مقام تک نہیں گیا۔ اور نہ ہی اپنی کشتی کی خبر لینے کو گیا جو میں نے نالے میں ایک جگہ کھڑی کر رکھی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں ان موذیوں سے مٹھ بھیڑ نہ ہو جائے۔

میرا ڈر اب بہت کم ہو گیا تھا، لیکن میں اب بہت چوکنا رہتا تھا، جب بھی کبھی باہر نکلتا تو بندوق کے علاوہ دو پستول بھی میرے کمرے لٹکے ہوتے تھے کہ اگر اتفاق سے کبھی ان آدم خوروں سے مٹھ بھیڑ ہو جائے تو ان کا مقابلہ کر سکوں۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا تھا کہ یہ موذی جب اپنے قیدیوں کو پکڑ کر ہلاک کرنے یہاں آئیں تو ان پر اچانک حملہ کر کے انھیں مار ڈالوں۔ لیکن یہ سوچ کر رہ جاتا کہ اگر وہ تعداد میں زیادہ ہوئے تو میں ان کا کچھ نہ بگاڑ سکوں گا۔

ایک بار میں نے ان پر حملہ کرنے اور ان کو مار ڈالنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ ایک پیڑ کے پیچھے سے آڑ میں بیٹھ کر ان پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔ اپنے ساتھ بندوقیں، پستولیں لیں، ان میں سیسہ اور بارود بھر کر تیار کیا۔ میں نے کئی روز تک اُن کے آنے کا انتظار کیا۔ میں ہر روز پہاڑ پر چڑھ کر، دُوربین سے آدم خوروں کی کشتی کو دیکھنے کی کوشش کرتا تھا، لیکن میں ان کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا اور وہ نہ آئے۔ آخر میں نے ان وحشیوں کو مار ڈالنے کا ارادہ چھوڑ دیا، اور پھر ایک سال تک ان کو دیکھنے پہاڑ پر نہیں چڑھا۔

میں اب بہت احتیاط برتا کرتا تھا۔ میں اب سمندر کے کنارے نہیں جاتا تھا، اور نہ گھر سے بہت دور۔ بلکہ اپنے گھر سے بہت کم نکلا کرتا تھا۔ میں آگ بھی نہیں جلاتا تھا اور نہ ہی

لکڑیاں پھاڑا کرتا تھا۔ میں اندر جنگل میں جا کر لکڑیاں جلا کر کوئلہ بنا لیتا تھا، اور اسی کوئلہ پر کھانا پکایا کرتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ دھواں دیکھ کر یا لکڑی پھاڑنے کی آواز سن کر آدم خور یہ پتا نہ لگا لیں کہ یہاں کوئی رہتا ہے۔ یہی نہیں میں چراغ بھی بہت کم جلاتا تھا اور رات کو جلدی سو جایا کرتا تھا۔

میں نے جنگل میں ایک بڑا سا غار بھی ڈھونڈ لیا تھا۔ یہ بہت اچھا اور محفوظ تھا۔ ہوا یہ کہ ایک دن جب کہ میں لکڑی کاٹ رہا تھا، مجھے ایک پیڑ کے پیچھے ایک گڈھا سا دکھائی پڑا۔ میں نے جب اسے قریب سے دیکھا تو وہ غار نکلا۔ وہ غار اندر سے اتنا بڑا تھا کہ بیک وقت دو آدمی اس کے اندر داخل ہو سکتے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ اس میں بڑا اندھیرا تھا لیکن میں ہمت کر کے اس کے اندر گھس گیا۔ اندھیرے میں مجھے دو چمک دار آنکھیں سی دکھائی پڑیں میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا بلا ہے۔ میں گھبرا کر باہر نکل آیا۔

پھر مجھے اپنے اوپر خود ہی ہنسی آئی اور میں نے اپنے آپ سے کہا:

"اے نادان تجھے اس جگہ رہتے ہوئے بیس سال بیت گئے، تیری صورت خود اتنی بھیانک ہے کہ شیطان بھی تجھے دیکھ کر ڈر جائے۔ بھلا اس غار کے اندر تجھ سے زیادہ خوفناک دوسری چیز تو ہو نہیں سکتی۔" میں ہمت کر کے، ایک سوکھی ہوئی جلتی لکڑی لے کر غار کے اندر چلا گیا، ذرا فاصلہ طے کرنے پر مجھے کوئی آواز سنائی دی۔ میں پھر ٹھٹھک گیا۔ ہمت کر کے پھر آگے کو چلا۔ لکڑی کی روشنی میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بکری پڑی دم توڑ رہی ہے میں نے اسے باہر نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اتنی بھاری تھی کہ وہ مجھ سے نہ اٹھ سکی۔ وہ بکری وہیں مر گئی، اور میں نے غار کے اندر ہی ایک گہرا سا گڈھا کھود کر اسے گاڑ دیا، تاکہ بدبو نہ آئے۔

میں نے غار کو اندر سے اچھی طرح دیکھا۔ یہ غار پھیلاؤ میں آٹھ ہاتھ کا تھا۔ اس کے اندر ایک تنگ راستہ اور تھا، جس میں گھٹنوں کے بل ہو کر اندر داخل ہو سکتا تھا۔

میں دوسرے دن بکری کی چربی کی بتی جلا کر غار کے اندر گیا اور غور سے دیکھا تو وہ خاصا بڑا نکلا۔ یہی نہیں اس غار کی چھت میں قیمتی چمک دار پتھر بھی تھے جو بتی کی روشنی میں دمک رہے تھے۔ گویہ غار اندھیرا تھا لیکن صاف ستھرا اور بالکل خشک تھا۔ اس کے اندر کی زمین بالکل ہموار تھی۔ بس اس میں داخل ہونا ذرا مشکل تھا۔ لیکن یہ بہت ہی محفوظ تھا اور پوشیدہ جگہ پر تھا کہ اگر اس میں آدمی چلا جائے تو لاکھ تلاش کرنے پر بھی اس کا پتا نہ چلے۔

میں اس غار کی دریافت سے بہت خوش ہوا، کیوں کہ جیسی محفوظ اور الگ تھلگ چھپی ہوئی جگہ میں چاہتا تھا وہ اب مجھے مل گئی تھی۔ میں نے ضرورت کی چیزیں، چند بندوقیں اور بارود کا ایک حصہ لا کر یہاں رکھ دیا تھا۔ کبھی کبھی میں خود بھی اس غار کے اندر آکر رہ لیتا تھا اُن پرانے زمانہ کے آدمیوں کی طرح جو پہاڑوں کے غاروں میں زندگی بسر کیا کرتے تھے میں اپنے آپ کو بھی پُرانے زمانے کا، غاروں میں زندگی بسر کرنے والا ایک انسان تصور کیا کرتا تھا، کیوں کہ مجھے اس ٹاپو میں آئے ہوئے اتنا زیادہ زمانہ بیت گیا تھا کہ میں اپنے آپ کو اسی ٹاپو کا ایک باشندہ خیال کرنے لگا تھا۔

مجھے یہاں رہتے رہتے تیئس ۲۳ سال بیت چکے تھے۔ میرا طوطا چھبیس سال تک زندہ رہا اور کتا سولہ ۱۶ برس تک جیتا رہا۔ اس کے علاوہ کئی جنگلی بلے اور بلیاں بھی میں نے پالے تھے، لیکن ان کے بچے چیزیں خراب کر دیتے تھے۔ اس لیے اُن کو میں پانی میں پھینک دیا کرتا تھا، ورنہ بلیوں کی ایک بڑی فوج بن جاتی، میں نے کئی توتے بھی پالے تھے لیکن وہ صرف میرا نام ہی رٹا کرتے تھے اور باوجود میرے رٹانے کے اس کے علاوہ اور کچھ نہ بول سکتے تھے۔ دو تین بکری کے بچے بھی مجھ سے بہت مانوس ہو گئے تھے وہ میرے ہاتھ سے دانہ کھایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کئی طرح کے پرندے اور بھی تھے جو سمندری مچھلیاں کھایا کرتے تھے اور میرے مکان کے پاس پیڑوں کا جھنڈ تھا اس پر رہا کرتے تھے۔

میں ان سب ساتھیوں کے ساتھ زندگی کے دن ہنسی خوشی کے ساتھ گزار رہا تھا اور مصیبتوں کو بڑے صبر کے ساتھ برداشت کر رہا تھا۔ بس مجھے ہر وقت آدم خوروں کا ڈر لگا رہتا تھا۔

ایک دن صبح کے وقت میں نے دیکھا کہ میرے مکان سے دو میل کے فاصلہ پر، سمندر کے کنارے آگ کا تیز الاؤ جل رہا ہے۔ میں یہ دیکھ کر بہت ڈرا اور غار کے اندر جا کر چھپ رہا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں آدم خور مجھے تلاش نہ کر لیں اور پکڑ کر لے جائیں۔ بہت دیر کے بعد میں ہمت کر کے غار سے باہر نکلا اور پہاڑی پر چڑھ کر، دوربین سے آدم خوروں کی حرکتیں دیکھنے لگا۔ وہ سب بالکل ننگے تھے اور خوب اُچھل کود رہے تھے۔ کسی کو پکڑ کر لائے تھے اور اس کو مار کر اس کا گوشت بھون کر کھا رہے تھے۔

وہ بہت دیر تک جشن مناتے رہے اور جب کھا پی کر وہاں سے چلے گئے اور ان کی ڈونگیاں میری نظروں سے اوجھل ہو گئیں تو میں دو بندوقیں اور پستول بھر کر اور کمر سے تلوار لٹکا کر اس جگہ گیا جہاں انھوں نے الاؤ جلایا تھا اور دعوت کھائی تھی۔ وہاں ریت پر خون، انسانوں کے سر کی ہڈیاں اور کٹے ہوئے ہاتھ پیر بکھرے پڑے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت گھن آئی اور مجھے ان وحشیوں سے بہت غصہ آیا۔ میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ دوبارہ جب یہ آدم خور یہاں آئیں گے تو میں اُن پر حملہ کر کے دو چار کو ضرور ختم کر ڈالوں گا۔

ایک رات جب کہ طوفانی ہوا چل رہی تھی اور میں انجیل مقدس کی تلاوت کر رہا تھا، میں نے توپ چلنے کی آواز سنی۔ میں اسی وقت سیڑھی لگا کر پہاڑی پر چڑھ گیا۔ اسی وقت دوسری بار توپ چھوٹی، تب میں نے اندازہ لگایا کہ کوئی قسمت کا مارا جہاز سمندر کی لہروں میں پھنس گیا ہے اور عین اسی جگہ پر ہے جہاں ہمارا جہاز پھنسا تھا۔ یہ توپ جہاز والوں نے مدد کے لیے چھوڑی ہے۔

میں نے پہاڑی پر سوکھی لکڑیاں اکٹھا کر کے آگ لگا دی۔ ہوا کے زور سے لکڑیاں فوراً

بھڑک اٹھیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی طرف کو بار بار توپ چھوڑی جانے لگی۔ میں تمام رات پہاڑی پر ہی رہا اور آگ ملاتا رہا۔ صبح میں نے دیکھا کہ ایک جہاز اسی جگہ پر ریت میں پھنسا کھڑا ہے جہاں میرا جہاز پھنسا تھا۔

میں نے اپنی ڈونگی میں کھانے پینے کا سامان رکھا اور سمندر کے کنارے کنارے جہاز کے باقی بچے ہوئے آدمیوں کی تلاش میں چلا۔ ایک جگہ کنارے پہ مجھے ایک آدمی پڑا ہوا دکھائی دیا، لیکن وہ مر چکا تھا۔ شاید وہ اس جہاز کا ملاح تھا۔ میں نے اس کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے تمباکو پینے کی ایک نلکی نکلی۔ میں نے وہ نلکی رکھ لی۔ کیوں کہ یہ میرے کام کی تھی میں نے بہت تلاش کیا لیکن مجھے کوئی اور زندہ انسان نہیں دکھائی دیا۔ مجھے بہت افسوس ہوا۔

جس جگہ ٹوٹا ہوا جہاز سمندر میں، ریت میں پھنسا کھڑا تھا وہاں تک جانے کی میری ہمت نہیں پڑ رہی تھی، کیوں کہ اسی کے قریب پانی کی تیز دھارا بہتی تھی، مجھے ڈر لگتا تھا کہ وہاں تک جانا میری ہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔ آخر ہمت کر کے بھاٹے کے وقت اپنی ڈونگی میں کھانا اور پانی رکھ کر، جہاز کی طرف روانہ ہو گیا کہ شاید میری قسمت سے کوئی زندہ انسان وہاں مل جائے۔

میں جہاز تک صحیح سلامت پہنچ گیا۔ میرا استقبال ایک جاندار نے کیا اور وہ تھا ایک کتا۔ جو پہلے تو مجھے دیکھ کر بھونکا، لیکن جب میں نے اسے چمکارا تو دم ہلانے لگا۔ میں نے اسے کھانے کو جو کی روٹی دی اور پانی پلایا، وہ بہت بھوکا تھا۔

میں نے جہاز میں چاروں طرف دیکھا لیکن وہاں کوئی زندہ انسان نہ تھا۔ باورچی خانے میں دو آدمی ایک دوسرے سے لپٹے، مرے پڑے تھے۔ جہاز چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا تھا اور اس کے اندر سمندر کا پانی بھر گیا تھا جس کی وجہ سے سارا سامان خراب ہو گیا تھا۔ مجھے دو صندوق اور ایک شراب کا پیپا اچھی حالت میں ملے، وہ میں نے اپنی ڈونگی

میں رکھ لیے۔ بچے ہوئے سامان میں سے کفگیر، چمٹا، دو پیتل کے تسلے، ایک تانبے کا برتن اور ایک صراحی بھی رکھ لی اور کتے کو ساتھ لے کر بڑی مشکل شام تک کنارے پر پہنچ سکا۔

صندوق میں سے بہت ساری کام کی چیزیں نکلیں۔ پہننے کے کپڑے، رومال، آدھ سیر کے قریب سونا، روپیوں کی تھیلی، اس کے علاوہ ایک خوب صورت سی صندوقچی تین شراب کی بوتلیں، جن کے مُنہ اچھی طرح سے بند تھے۔ دوسرے صندوق میں تھوڑی سی بارود اور کچھ سونا چاندی اور نقدی تھی۔ یہ سونا اور چاندی وغیرہ میرے لیے بالکل بے کار تھے بلکہ میری نظر میں تو اینٹ اور پتھر کے برابر تھے۔ اس وقت ایک جوڑی جوتا یا موزے سونے اور چاندی سے کہیں زیادہ قیمتی تھے، کیوں کہ سونے اور چاندی یا روپیوں سے میری کوئی بھی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ چیزیں میں نے پچھلی نقدی کے ساتھ غار میں ایک جگہ رکھ دیں۔

چوں کہ مجھے جوتوں کی سخت ضرورت تھی اس لیے میں نے دونوں مرے ہوئے آدمیوں کے جوتے اتار لیے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس جہاز پر بہت ساری قیمتی چیزیں لدی ہوئی تھیں اگر اس میں پانی نہ بھرتا تو بہت ساری کام کی چیزیں مجھے ملتیں۔

آدم خوروں سے لڑائی اور جُمّن کی رہائی

اس ٹاپو میں، میری قید تنہائی کی وہ چوبیسواں سال تھا۔ مارچ کا مہینہ تھا اور بارش ہو رہی تھی۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ صبح کا وقت ہے۔ میں اپنے غار سے نکل کر باہر گیا ہوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سمندر کے کنارے دو ڈونگے کھڑے ہیں ان میں گیارہ آدم خور ہیں۔ وہ ایک آدمی کو پکڑ کر، اس کا گوشت کھانے آئے ہیں۔ لیکن وہ آدمی کسی طرح سے ان آدم خوروں کے پنجے سے بھاگ نکلتا ہے اور میرے غار کے قریب ایک پیڑ کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے۔ آدم خور اسے تلاش کرتے ہیں لیکن وہ ہاتھ نہیں آتا۔ میں اس کے پاس جاتا ہوں اور اسے بہت تسلی دیتا ہوں۔ وہ عاجزی سے اپنا سر میرے پیروں پر رکھ دیتا ہے۔ میں اسے اپنے گھر لے آتا ہوں اور وہ میرا غلام بن جاتا ہے۔ جب ایک اور ساتھی مجھے مل جاتا ہے تو ہم دونوں اس ٹاپو سے نکلنے کی ترکیبیں کرتے ہیں۔

اُسی وقت میری آنکھ کھل جاتی ہے، اور یہ جان کر کہ یہ سب خواب تھا مجھے بہت رنج ہوتا ہے لیکن اس خواب سے مجھے یہ تسلی ہوئی کہ اگر میں آدم خوروں کے پنجے سے کسی کو بچا لوں تو میں اس ٹاپو سے نکل سکتا ہوں۔ تب میں نے یہ فیصلہ کیا کہ چاہے جو بھی ہو میں آدم خوروں سے ضرور لڑوں گا۔ چناں چہ میں روزانہ ہتھیار لگا کر اور لڑنے کے لیے تیار ہو کر ٹاپو کے مختلف حصوں میں جہاں جہاں آدم خور آ کر دعوت کھایا کرتے تھے، جایا کرتا تھا،

لیکن مجھے ہر روز ناامیدی ہوتی تھی، مگر میں نے ہمت نہیں ہاری تھی۔

آخر ڈیڑھ سال کے بعد وہ دن آ ہی گیا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ جدھر میرا غار ہے اسی طرف سمندر کے کنارے پانچ ڈونگوں میں آدم خور آکر ٹھہرے۔ وہ تعداد میں بیس اور تیس کے قریب تھے۔ میں پہاڑی پر دوربین سے اُن کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔

آگ کا بڑا سا الاؤ جلایا گیا، وہ سب الاؤ کے اردگرد خوب ناچ کود رہے تھے۔ پھر دو آدمیوں کو ڈونگوں پر سے اُتار کر لائے۔ ایک وحشی نے ایک آدمی کا سر تلوار سے اُڑا دیا اور دوسرے وحشیوں نے اسے چیرنے پھاڑنے کا کام شروع کر دیا اور کھانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ دوسرے قیدی کی طرف سے وہ ذرا غافل ہوئے تھے کہ وہ بھاگ کھڑا ہوا اور دوڑتا ہوا اُن سے دور ہو گیا۔ اتنے میں اُس کے دشمنوں کو اُس کے بھاگ جانے کا پتا چلا۔ اور تین آدم خور اسے پکڑنے کو بھاگے۔

یہاں تک میرے خواب کی بات پوری ہو چکی تھی، مجھے اُمید تھی کہ دشمن اسے پکڑ نہیں سکیں گے۔ کیوں کہ بھاگا ہوا قیدی بہت ہی تیز اور جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ میرے غار اور وحشیوں کے دعوت کھانے کی جگہ کے بیچ ایک پانی کا نالہ بھی پڑتا تھا۔ اسی نالہ کے ذریعے میں نے اپنے ٹوٹے ہوئے جہاز کا سارا سامان کنارے تک پہنچایا تھا۔ بھاگا ہوا قیدی اسی نالے میں کودا اور چند لمحوں ہی میں تیر کر دوسری طرف پہنچ گیا۔ پیچھا کرنے والوں میں سے ایک تیرنا نہیں جانتا تھا اس لیے وہ واپس چلا گیا، دو تیرنا جانتے تھے اس لیے وہ بھی نالے میں کود گئے۔

میں اس وقت بھری ہوئی بندوقیں لے کر پہاڑی پر سے اُترا اور دوسرے قریبی راستہ سے ہو کر بھاگے ہوئے قیدی کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے اسے زور سے پکارا۔ وہ بے چارہ میری خوف ناک صورت دیکھ کر سہم گیا اور جہاں تھا وہیں کھڑا ہو گیا۔ اُس نے مجھے بھی اپنا دشمن سمجھا۔ میں نے اسے ہاتھ ہلا کر قریب بُلایا اور اشاروں سے اُسے بتایا کہ میں

اس کا دشمن نہیں ہوں۔

اسی وقت اس کا پیچھا کرتے ہوئے دونوں آدم خور بھی وہاں پہنچ گئے۔ میں نے ایک کے سر پر بندوق کا کندہ مارا وہ وہیں زمین پر گر پڑا، میں اس وقت بندوق نہیں چلانا چاہتا تھا لیکن جب دوسرے آدم خور نے مجھ پر اپنی کمان سے تیر چھوڑنا چاہا تو میں نے مجبوراً بندوق داغ دی۔ بندوق کی آواز، دھواں اور شعلہ دیکھ کر اور اس کے ساتھ ہی اپنے دشمن کو زمین پر خون میں لت پت دیکھ کر بھاگا ہوا قیدی خوف کے مارے میرے پیروں پر گر پڑا اور جیسے جان بخشی کے لیے گڑگڑانے لگا۔ گو اس وحشی کی زبان میری سمجھ میں ذرا بھی نہیں آرہی تھی لیکن چوبیس سال کے بعد ایک انسان کے مُنہ سے نکلنے والی وہ بے معنی آواز سُن کر مجھے جو خوشی ہو رہی تھی اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔

میں نے اس کو بہت تسلی دی اور پیٹھ اور سر پر ہاتھ رکھا اور ہر طرح سے اسے اطمینان دلایا کہ میں اس کا دشمن نہیں ہوں بلکہ دوست اور خیر خواہ ہوں۔ اپنے دشمنوں کو زمین پر پڑا ہوا دیکھ کر اب وہ مطمئن سا ہو گیا تھا، اور اسے یقین سا ہو گیا تھا کہ اس کی جان محفوظ ہے۔ اسی وقت وہ آدم خور جس کو میں نے بندوق کا کندہ مارا تھا، اور جو بے ہوش ہو گیا تھا، اب ہوش میں آگیا تھا۔ میں نے اس کی طرف اشارہ کیا اور اپنی تلوار نکال کر بھاگے ہوئے قیدی کو دی، اس نے بہت پھرتی اور صفائی کے ساتھ ایک ہی وار میں اس آدم خور کا سر تن سے جُدا کر دیا اور میری تلوار مجھے واپس کر دی۔ ان دونوں آدم خوروں کو ہم نے ریت میں دبا دیا۔

ہم دونوں نے پہاڑی پر چڑھ کر دیکھا کہ آدم خوروں کی ڈونگیاں وہاں نہیں تھیں وہ سب واپس چلے گئے تھے، تب میں اس وحشی کو لے کر اس جگہ گیا جہاں آدم خوروں نے دعوت کھائی تھی۔ وہاں خون اور بہت سارے انسانی جسم کے حصے پڑے ہوئے تھے وہ چار قیدیوں کو پکڑ کر لائے تھے۔

جس دن یہ واقعہ پیش آیا وہ جمعہ کا دن تھا، اس لیے میں نے اس وحشی کا نام جُمّن رکھ دیا تھا۔ جمّن پچیس یا چھبیس سال کا، لمبے قد اور چھریرے بدن والا، تندرست جوان تھا۔ اس کا رنگ بہت سیاہ نہیں تھا۔ وہ بہت سادے دل کا انسان تھا اور باوجود وحشی ہونے کے اچھی طبیعت کا مالک تھا، وہ میری اطاعت کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا اور ہر وقت میرا حکم بجالانے کو تیار رہتا تھا، وہ میری بہت عزت کرتا تھا، مجھے اس سے بہت مدد ملتی تھی۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ اس نے میری مدد کے لیے جمّن کو بھیج دیا۔

میں نے جمّن کو پہننے کے لیے ملّاح کا پاجامہ، لکڑی کے کھال کی صدری اور خرگوش کے کھال کی ٹوپی دی۔ وہ یہ لباس پہن کر بہت خوش ہوا۔ شروع شروع میں اسے کپڑے پہن کر چلنے میں تکلیف ہوتی تھی کیوں کہ وہ کپڑے پہننے کا عادی نہیں تھا لیکن دھیرے دھیرے وہ اس کا عادی ہو گیا تھا۔

میں نے جمّن کو اپنے مکان میں دو دیواروں کے بیچ میں خیمہ بنا کر رہنے کے لیے جگہ دی۔ دروازہ میں کواڑ جڑ دیے تھے، اس میں تالا لگا دیا کرتا تھا۔ میں نے یہ کام احتیاط کے طور کیا تھا تاکہ جمّن کبھی کبھی سوتے میں مجھے نقصان نہ پہنچا سکے۔ مجھے ابھی اس پر پورے طور پر بھروسہ نہ تھا۔ تمام ہتھیار میں حفاظت کے ساتھ اندر رکھ کر سویا کرتا تھا ویسے جمّن بہت ایماندار اور بھروسہ کے قابل تھا۔

دھیرے دھیرے جمّن مجھ سے بہت مانوس ہو گیا۔ میں اس کو اپنی زبان سکھلانے لگا اور چیزوں کے نام بتانے لگا۔ یہاں تک کہ ہم ایک دوسرے کی بات اشاروں اور ٹوٹی پھوٹی زبان میں سمجھنے لگے۔ میرے لیے یہ بات بہت ہی خوشی اور تسکین کا باعث تھی۔

چوں کہ جمّن بھی آدم خور تھا اور انسانی گوشت کھانے کی اس کی عادت تھی، اس لیے میں نے اُسے انسانی گوشت نہ کھانے کی خوب تلقین کر دی تھی اور اسے بکری کا گوشت کھلاتا تھا۔

جمن بندوق سے بہت ڈرتا تھا، اور ایک طرح سے اس کی پوجا کیا کرتا تھا تاکہ وہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ میں نے اس کے سامنے بندوق میں چھرا بارود بھرا اور چلا کر دکھایا کہ اس میں سے شعلہ نکلنے اور دشمن کے مر جانے کا کیا بھید ہے۔ اس پر بھی وہ بہت دنوں تک بندوق سے ڈرتا ہی رہا۔

میں نے اس کو دھان کوٹنا، روٹی پکانا خوب سکھلا دیا تھا، جمن بہت سمجھدار تھا۔ رفتہ رفتہ سارے کام میری مرضی کے مطابق کرنے لگا۔ ہم دونوں نے مل کر زیادہ غلہ اگانے کے لیے اور زمین تیار کی ۔۔۔۔ جیسی خوشی اور اطمینان مجھے اس سال نصیب ہوا ویسی خوشی میں نے پچھلے چوبیس سالوں میں محسوس نہیں کی تھی۔

دھیرے دھیرے جمن میری زبان، مختلف چیزوں اور جگہوں کے نام بخوبی سیکھ گیا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے ہر طرح بات چیت کرنے لگا۔ میں نے اپنا کُل حال اسے بتایا کہ میں کیا تھا اور یہاں اس ٹاپو میں کس طرح آیا، اور یہ تمام چیزیں کس طرح اکٹھا کیں۔ وہ میری داستان سن کر بہت متاثر ہوا اور میرا اور بھی گہرا دوست بن گیا۔

اس نے اپنے قبیلہ کے بارے میں بہت ساری باتیں بتائیں اور دوسرے آدم خور قبیلوں کے بارے میں بتایا کہ کس طرح یہ آدم خور لڑائی میں پکڑے ہوئے قیدیوں کو مار مار کر کھا جاتے ہیں۔

میں نے اس سے دریافت کیا کہ اس کے جزیرے تک کس طرح پہنچا جا سکتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ اگر ایک بڑی سی مضبوط کشتی تیار ہو جائے تو وہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔

اب جمن بندوق چلانا سیکھ گیا تھا، اور اب وہ بندوق سے ڈرتا بھی نہیں تھا۔ میں نے اسے ایک چھری دی اور اس کی کمر میں چمڑے کی پیٹی باندھ دی جس میں ایک طرف کلہاڑی لٹکی رہتی تھی۔ ایک دن میں اسے اپنے ملک کا حال بتا رہا تھا کہ وہاں لوگ کس طرح

رہتے ہیں۔ خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، اور قریب کے ملکوں سے جہازوں کے ذریعہ تجارت کرتے ہیں۔ چوں کہ جمن نے اب تک جہاز نہیں دیکھا تھا، اس لیے میں لے اس کو وہ کشتی دکھلائی جو اب تک ریت میں دبی ہوئی اور اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ کشتی دیکھ کر جمن بولا کہ ایسی کئی کشتیاں اس نے اپنے ملک میں بھی دیکھی ہیں۔ اس بات سے میں نے نتیجہ نکالا کہ طوفان کی وجہ سے جہازوں کی کشتیاں بہہ کر اُدھر پہنچ گئی ہوں گی۔

ایک دن اس نے بتایا کہ چند ولایتی لوگ اس کے ملک میں چار سال سے رہ رہے ہیں، وہ اچھی طرح ہیں اور اس کے قبیلہ کے آدم خوروں نے ان کو کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچایا ہے۔ گو اس کے قبیلہ کے لوگ بھی آدم خور ہیں وہ صرف ان ہی لوگوں کو مار کر کھا جاتے ہیں جو لڑائی میں ہاتھ آتے ہیں۔ جب میں نے ان لوگوں کی شکل وصورت کے بارے میں پوچھا تو جمن نے جو بیان کیا اس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ وہ لوگ اسپینی ہوں گے یا پرتگیزی۔ تب میں نے سوچا کہ اگر میں ان کے پاس پہنچ جاؤں تو ممکن ہے ان کی مدد سے اپنے ملک تک پہنچنے کا کوئی راستہ نکل آئے۔ اب میں جمن کے جزیرے تک پہنچنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ میرا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جمن کے قبیلہ والوں کو انسانیت کی تعلیم دوں اور انھیں آدم خوری سے باز رکھوں۔ جمن نے مجھے یقین دلایا تھا کہ اس کے قبیلہ کے لوگ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، اور اس کی جان بچانے کے بدلے میں احسان مند ہوں گے اور ہر طرح کی مدد کریں گے۔

ہم دونوں نے مل کر خوب محنت کر کے ایک بڑے سے درخت کو کاٹا، اور ایک ماہ کی مدت میں ناؤ تیار کی۔ گو اس کو پانی تک پہنچانے میں ہمیں دو ہفتے لگے۔ اس ناؤ میں بیس آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ جمن اس ناؤ کو بڑی مہارت کے ساتھ چلا لیتا تھا۔ ناؤ میں پال اور مستول لگانے میں دو مہینے اور گزر گئے۔ میں نے جمن کو کشتی چلانے کا فن اچھی طرح

سکھلایا اور بتایا کہ پال کس طرح لگاتے اور اتارتے ہیں۔ جمن نے اب تک پال والی کشتیاں نہیں دیکھی تھیں۔ اس کے ملک میں ڈونگیوں کا رواج تھا۔ جمن بہت ذہین تھا، اس لیے بہت جلد وہ ایک اچھا ملاح بن گیا۔ میں نے سفر کا سارا سامان تیار کر لیا تھا۔ موسم بھی خوش گوار تھا، جمن بھی بہت خوش خوش تھا کہ تین سال کے بعد وہ اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں سے ملاقات کرنے کے لیے جا رہا تھا۔

ایک دن میں نے جمن کو سمندر کے کنارے کچھوا پکڑنے بھیجا۔ کبھی کبھی وہ کچھوے پکڑ کر لاتا تھا اور اس کا گوشت اور انڈے بڑے شوق سے کھاتا تھا۔ جمن ہانپتا کانپتا واپس آیا اور بولا کہ تین ڈونگے کنارے پر آن کر رکے ہیں، وہ آدم خور شاید اس کی تلاش میں آئے ہیں۔ وہ ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔

میں نے اُسے تسلی دی اور کہا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ جو حشر میرا ہو گا وہی اس کا ہو گا۔ اس وقت بہتر ہے کہ ہم ان موذیوں سے دو دو ہاتھ کر لیں۔ میں نے پرندے مارنے والی دو بندوقیں جمن کو دیں اور ان میں چھرا بارود بھرا۔ چار بندوقیں میں نے لیں۔ اس کے علاوہ دو پستولوں میں بھی گولیاں بھر کر اپنی کمر سے باندھیں اور دو پستول جمن کو دیے۔ میں نے پہاڑی پر چڑھ کر دیکھا تو اکیس[1] آدم خور اور ان کے تین قیدی تھے۔ تب میں نے نتیجہ نکالا کہ ان کا ارادہ ان قیدیوں کو مار کر کھانے اور چلے جانا ہے۔ مجھے ان موذیوں پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ اس لیے میں نے ان کو سبق سکھلانا ضروری سمجھا تا کہ آئندہ وہ ادھر آنے کی ہمت نہ کر سکیں۔

میں نے ایک بوتل شراب اور بارود کی تھیلی جمن کو دی اور اسے خوب اچھی طرح سے سمجھا دیا کہ جب میں اشارہ کروں تب حملہ کرے، اور جیسا میں کہوں اس پر عمل کرے۔ ہم لوگ نالے کو پار کر کے، آدم خوروں کے اتنے قریب تک پہنچ کر رک گئے جہاں سے اُن پر آسانی سے حملہ کیا جا سکے اور ایک پیڑ کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے اور ان کی

حرکتیں دیکھنے لگے۔

وحشی آگ کے الاؤ کے ارد گرد بیٹھے تھے اور ایک قیدی کو چیر پھاڑ کر کھانے میں مشغول تھے۔ دوسرا قیدی ریت پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر درخت کی چھال سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کا رنگ گورا تھا اور وہ کوئی انگریز معلوم ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر غصے کے مارے میرا خون کھولنے لگا۔ میں نے جمن سے کہا کہ بس اب وہ تیار ہو جائے۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ ان آدم خوروں پر بندوقیں چھوڑیں، جمن نے دو کو جان سے مارا، اور تین کو زخمی کیا اور میں نے ایک کو مارا اور دو کو گھائل کیا۔ وحشی گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس چیز نے ان کے ساتھیوں کو اتنی دور سے مار ڈالا۔

میں نے اور جمن نے دوبارہ ان پر حملہ کیا، اور کئی کو زخمی کر دیا۔ وحشی خوف اور وحشت کے مارے چلّاتے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ اس وقت ہم دونوں باہر نکلے۔ ہماری صورت دیکھتے ہی وہ شور مچا کر بھاگنے لگے۔ دو وحشی جو اس گورے آدمی کے ہاتھ پیر کھول رہے تھے وہ بھی ڈر کر بھاگے اور جمن کی گولی سے زخمی ہو کر ڈونگی میں جا پڑے۔

میں نے اُس گوری چمڑی والے کے ہاتھ پیر کھولے، اور اسے بوتل سے نکال کر شراب کے چند گھونٹ پلائے، اور تھوڑی سی روٹی کھلائی، تو اس کی ذرا جان میں جان آئی اور وہ بولا:

"میں اسپینی ہوں۔"

میں نے اسے تسلی دی اور کہا: "یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں ہے۔ اگر تم میں طاقت اور ہمت ہے تو بندوق اور پستول سنبھالو۔" اس نے خوشی سے ہتھیار لیے اور بڑی پھرتی کے ساتھ اُٹھ کر دشمنوں پر جا پڑا اور اس نے بھی دو آدم خوروں کو جان سے مار ڈالا۔

میں نے اور جمن نے اپنی اپنی خالی بندوقوں کو بھرا۔ جمن نے اس وقت بڑی ہی

بہادری کا ثبوت دیا۔ اس نے کلہاڑی لے کر بھاگتے ہوئے آدم خوروں کا پیچھا کیا اور تین زخمیوں کو اور مار ڈالا۔ البتہ تین چار وحشی ایک ڈونگی میں بیٹھ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں سے دو بہت سخت زخمی تھے۔

جمن کا کہنا تھا کہ ہم کشتی میں بیٹھ کر اُن کا ضرور پیچھا کریں اور ختم کر ڈالیں، کیوں کہ اگر یہ بچ نکلے تو ہو سکتا ہے کہ اپنے قبیلے کے دوسرے آدم خوروں کو لا کر ہم پر کسی وقت بھی حملہ کر دیں۔ میں نے بھی سوچا کہ بات تو ٹھیک ہے، لیکن جب ہم ان کا پیچھا کرنے کی نیت سے ایک ڈونگی پر بیٹھے تو دیکھا کہ اس ڈونگے میں ایک اور قیدی جکڑا پڑا ہے اور ادھ مرا سا ہے۔ میں نے اس کے ہاتھ پیر کھول دیے اور اسے اشاروں سے سمجھایا کہ اب وہ دشمنوں کے پنجے سے بچ گیا ہے۔

ہم نے اس قیدی کو تھوڑی سی شراب پلائی اور کچھ روٹی کھلائی، وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جمن نے جب اس کی صورت اچھی طرح سے دیکھی تو مارے خوشی کے اُچھلنے کودنے لگا اور قہقہے لگانے لگا۔ وہ کبھی قیدی کے مُنہ کو دیکھتا اور کبھی قیدی کے سر کو چومتا تھا۔ میں جمن کی اس حرکت کو بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ نہ جانے اسے کیا ہو گیا ہے جو ایسی حرکتیں کر رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد چُپ ہوا اور بولا۔

"صاحب، آپ کی مہربانی سے میرا باپ موت کے مُنہ سے بچ گیا ہے۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"

مجھے بھی یہ جان کر، بہت خوشی ہوئی کہ یہ بوڑھا آدمی جمن کا باپ ہے۔

ہم دشمنوں کے ڈونگے کا پیچھا نہیں کر سکے کیوں کہ اتنی دیر میں وہ بہت دور نکل چکا تھا، لیکن یہ ہمارے لیے اچھا ہی ہوا کیوں کہ دو گھنٹے کے بعد سخت طوفان آیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آدم خور اپنے گھر صحیح سلامت نہیں پہنچ سکے ہوں گے اور طوفان کی نذر ہو گئے ہوں گے۔

جمن اپنے باپ کی خدمت میں لگا رہا اور اسے روٹی پانی دیتا رہا۔ اس نے اس کے ہاتھ پیروں کی خوب مالش کی جو بہت دیر تک بندھے رہنے کی وجہ سے اکڑ گئے تھے۔ جمن نے اور میں نے اس اسپینی کے ہاتھوں اور پیروں کی بھی مالش کی۔ وہ بار بار میرا شکریہ ادا کرتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ سب اللہ کی مہربانی ہے جو اس نے رہائی کی تدبیر کی اور مجھے وسیلہ بنایا۔ میں نے اور جمن نے ہاتھوں ہاتھ ان دونوں کو اپنے پہاڑ والے مکان تک پہنچایا کیوں کہ وہ دونوں اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ دو قدم بھی نہیں چل سکتے تھے۔ ہم نے ان کے لیے ایک خیمہ لگا کر باہر رہنے کا انتظام کر دیا۔

پھر بکری کا گوشت پکایا اور سب نے مل کر کھایا۔ میں نے جمن کو حکم دیا کہ وہ ان وحشیوں کی لاشوں کو ریت میں گاڑ دے تاکہ بدبو نہ آئے۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں دوبارہ آدم خور آ کر ہم پر حملہ نہ کر دیں مگر بوڑھے نے جمن کو بتایا کہ آدم خوروں نے ایسی شکست کھائی ہے کہ وہ دوبارہ ادھر کا رُخ نہیں کریں گے۔

وہ اسپینی کئی دن کا بھوکا پیاسا تھا اس لیے بہت کمزور ہو گیا تھا۔ جب اس میں ذرا طاقت آ گئی تو اس نے اپنی مصیبت کی کہانی سنائی کہ کس طرح اس کا جہاز ٹوٹ گیا تھا اور وہ اپنے سولہ ساتھیوں کے ساتھ ایک ٹاپو میں رہ رہا تھا۔ وہاں بھی آدم خور رہتے ہیں لیکن ایک قبیلہ والوں نے اُن پر رحم کیا اور اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا لیکن وہاں کھانے کو کوئی چیز نہیں ہے اور بھوک اس کا خاتمہ کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس جزیرے سے نکلنے کے لیے اُن کے پاس کوئی کشتی نہیں تھی۔ آخر وہ ان آدم خوروں کے ہاتھ پڑ گیا، ایک دن انھوں نے اچانک حملہ کر دیا اور اسے دوسرے قبیلہ والوں کے ساتھ پکڑ لیا۔

میں نے سوچا کہ اگر اسپینی کے باقی سولہ ساتھی بھی یہاں آ جائیں تو سب مل کر یہاں سے نکل جانے اور اپنے اپنے وطن پہنچنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

میں نے یہ طے کیا کہ جمن کے باپ کو اسپینی کے ساتھ اُن اسپینیوں کو لانے کے لیے بھیج دوں. لیکن اسپینی نے بڑے ہی پتے کی بات کہی اور دور اندیشی کا ثبوت دیا، اس نے کہا کہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم لوگ اس فصل میں اتنا غلہ اکٹھا کرلیں جو ہمارے علاوہ ان سولہ آدمیوں کے کھانے کے لیے بھی کافی ہو۔ ورنہ ان کے یہاں آجانے پر ہم سب کو سخت پریشانی ہوگی۔ مجھے یہ مشورہ بہت پسند آیا چناں چہ ہم سب نے لکڑی کی کدالیں لے کر زیادہ سے زیادہ زمین کو قابلِ کاشت بنانے کے لیے کھودا، اور فصل بونے کے وقت بہت سارا جو اور دھان بویا۔

اب ہم بے فکری کے ساتھ ٹاپو میں گھومتے پھرتے تھے۔ آدم خوروں کا ڈر ہمارے دل سے نکل چکا تھا۔ جمن اور اس کے باپ کے سپرد میں نے ایک ناؤ بنانے کا کام کیا، اور اسپینی کو ان کی نگرانی پر مقرر کیا۔ میں نے اس درمیان نئی نئی بکریاں پکڑ کر اپنے گلے میں اضافہ کرلیا تھا۔ جب انگور اکٹھا کرنے کا وقت آیا تو میں نے بہت سارے انگور توڑ کر سکھلا لیے اور ان کو پیپوں میں بھر لیا کہ اگر ہمارا یہاں سے نکلنا ہوا تو راستے میں کسی شہر میں ان کو بیچ کر معقول رقم حاصل ہو جائے۔ جمن اور اس کے باپ نے مل کر ایک اچھا سا درخت کاٹا اور اُس کے تختوں سے ایک مضبوط ناؤ بنا ڈالی۔ اس کے بنانے میں بہت محنت کرنی پڑی اور کافی وقت لگا۔

خدا کے فضل سے اس بار فصل بھی بہت اچھی ہوئی، اور اتنا سارا غلہ پیدا ہوگیا جو کہ ہمارے اور اُن سولہ اسپینیوں کے لیے اگلی فصل تک کافی تھا۔ غلہ رکھنے کے لیے ہم نے بڑی بڑی گول ٹوکریاں بنائیں۔ ان ٹوکریوں کے بنانے میں اسپینی بہت ماہر تھا۔

جب ہمیں کھانے پینے کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو میں نے جمن کے باپ اور اسپینی کو بھیجنے کی تیاری کی۔ لیکن میں نے اسپینی کے سامنے چند شرطیں رکھیں۔ میں نے کہا کہ مجھے اُمید ہے کہ اس کے ساتھی یہاں آن کر میری مدد کریں گے۔ مجھے کوئی نقصان نہیں،

پہنچائیں گے، اور ہم سے لڑائی جھگڑا کبھی نہ کریں گے۔ اگر ان میں سے کوئی ہمارے ساتھ دشمنی کرے تو اس کا فرض ہوگا کہ وہ ہماری مدد کرے۔ اس جزیرے میں اس کے ساتھی جہاں چاہیں گھوم پھر سکتے ہیں لیکن وہ میرے حکم کے مطابق ہی عمل کریں گے۔

میں نے اسے تاکید کی کہ جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ جائے تو ساری باتیں انھیں اچھی طرح سے سمجھا دے۔ اسپینی ان تمام باتوں پر راضی ہوگیا۔ اس نے مجھے یقین دلایا کہ وہ میری مرضی کے خلاف ہرگز کوئی کام نہیں کرے گا۔

جمعن کے باپ اور اسپینی کو ہم نے ناؤ پر سوار کیا۔ کھانے کے لیے روٹیاں اور پینے کو پانی رکھ دیا، اور بہت سارے سوکھے انگور بھی رکھ دیے۔ اس کے علاوہ ان کو بندوق اور گولی اور بارود بھی دی تاکہ وہ اپنی حفاظت کر سکیں۔ کھانے پینے کا سارا سامان بہت دنوں کے لیے کافی تھا، پھر بھی میں نے تاکید کی کہ وہ اس کو کفایت کے ساتھ خرچ کریں اور بندوق سے سمندری پرندوں کا شکار کر لیا کریں۔ پھر ہم نے ان کو رخصت کیا۔

جہاز کے ملّاحوں کے قیدی

ان کے جانے کے آٹھ دن بعد یہ ماجرا پیش آیا کہ جمعن نے آکر یہ خبر دی کہ وہ لوگ واپس آرہے ہیں۔ میں نے سمندر کی طرف دیکھا تو کافی فاصلے پر ایک کشتی آتی نظر پڑی لیکن وہ اس سمت سے نہیں آرہی تھی جدھر سے کہ اسپینیوں کو آنا تھا۔ میں نے جمعن سے کہا کہ یہ وہ لوگ نہیں معلوم ہوتے ہیں جن کا ہم کو انتظار ہے، اور یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ دوست ہیں یا دشمن۔ ہم دونوں چھپ کر بیٹھ گئے اور ان کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

میں نے اپنی دُوربین سے دیکھا کہ دور سمندر میں ایک جہاز بھی لنگر ڈالے کھڑا ہے اس جہاز کو دیکھ کر میری طبیعت میں ایک طرح کا جوش پیدا ہوا اور اب تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا، کیوں کہ اس کو دیکھ کر مجھے اپنی رہائی کی اُمید پیدا ہو گئی تھی لیکن پھر مجھے

یہ خیال آیا کہ اس طرف جہاز کے آنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ ادھر کوئی ایسا ملک نہیں جس سے تجارت ہو سکے اور نہ ہی آندھی یا طوفان ہی آیا ہے جس سے یہ خیال ہو کہ جہاز بھٹک گیا ہے۔

میں نے حالات کا مطالعہ کرنا بہتر سمجھا اور فوراً اپنے آپ کو ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا اس وقت اگر میں زرا بھی جلد بازی سے کام لیتا تو بڑی ہی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا۔ کشتی کنارے پر آکر رک گئی۔ اس میں گیارہ آدمی سوار تھے۔ ایک دو تو ولندیزی تھے باقی سب انگریز تھے اور تین کے علاوہ سب کے پاس ہتھیار تھے۔ تین آدمیوں کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ جب کشتی میں سے قیدیوں کو اتارا جا رہا تھا تو ان میں سے ایک بہت منت سماجت کر رہا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ قیدیوں کو یہاں قتل کرنے کے لیے لایا گیا تھا، کیوں کہ وہ لوگ قیدیوں کے ساتھ بہت ہی ظالمانہ برتاؤ کر رہے تھے۔

اس وقت میں نے سوچا کہ اگر جمن کا باپ اور اسپینی موجود ہوتے تو ہم سب مل کر ان پر دھاوا بول دیتے اور ان کے پنجے سے ان قیدیوں کو چھڑا لیتے۔ ان تینوں قیدیوں کو ہاتھ پیر باندھ کر ریت پر ڈال دیا گیا تھا اور باقی لوگ جزیرے میں اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے لگے۔

جس وقت یہ لوگ یہاں آئے تھے اس وقت سمندر میں جوار تھی لیکن بھاٹے کی وجہ سے اب پانی اتر گیا تھا اور ان کی کشتی ریت میں پھنس گئی تھی۔ ان لوگوں نے وہ کشتی کھسکانے کی بہت کوشش کی لیکن نہیں کھسکی، تب ان میں سے ایک نے انگریزی زبان میں کہا کہ جوار آنے پر یہ کشتی اپنے آپ نکل جائے گی۔ یہ سن کر میں نے اندازہ لگایا کہ یہ لوگ انگریز ہی ہیں۔

میں ان سے لڑنے کی تیاری کرنے لگا، لیکن یہ لوگ تعداد میں زیادہ تھے اور ان

کے پاس ہتھیار بھی تھے اس لیے مجھے بڑی چالاکی سے کام کرنا تھا۔ میں نے دو بندوقیں جمن کو دیں اور تین خود لیں۔ میری صورت ویسے بھی بہت خوف ناک تھی۔ سر پر بکری کی کھال کی ٹوپی، اور بکری ہی کی کھال کا گھٹنوں تک کا کرتا۔ دونوں کندھوں سے لٹکتی ہوئی بندوقیں، کمر میں دونوں طرف پستول، ایک طرف تلوار۔

اس وقت گرمی کی وجہ سے وہ سب قیدیوں کو چھوڑ کر، درختوں کی چھاؤں میں آرام کر رہے تھے۔ صرف دو آدمی کشتی میں پڑے ہوئے تھے جو شراب کے نشہ میں دُھت تھے۔

میں بہت احتیاط کے ساتھ چھپتا چھپاتا، جمن کو لے کر اُن قیدیوں کے پاس پہنچ گیا۔ پہلے تو وہ میری صورت دیکھ کر سہم گئے۔ لیکن جب میں نے ان سے انگریزی زبان میں بات کی اور کہا کہ میں اُن کا دوست ہوں اور مدد کرنے کے لیے آیا ہوں، تو ان کو اطمینان ہوا۔

چوں کہ اس وقت زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں تھا اس لیے اُن میں سے ایک نے مختصراً بتایا کہ وہ جہاز کا کپتان ہے۔ دوسرا نائب کپتان اور تیسرا ایک مسافر ہے۔ ملّاحوں نے بغاوت کر دی ہے اور اُن کی جان لینا چاہتے ہیں۔ وہ قتل کرنا چاہتے تھے لیکن بڑی منت سماجت کے بعد وہ اتنا رحم کرنے پر رضامند ہوئے ہیں کہ ان تینوں کو اس ویران جزیرے میں چھوڑ دیں۔

میں نے ان کے ہاتھ پیر کھول دیے۔ ان میں سے ایک نے کہا "آپ ضرور آسمان سے ہماری مدد کے لیے فرشتہ بن کر آئے ہیں، ورنہ اس ویران جگہ میں کوئی ہمارا مددگار کہاں۔"!

میں نے انھیں تسلی دی، ور کہا "آپ لوگ خوف زدہ نہ ہوں۔ میں بھی ایک انسان ہی ہوں، اور اگر خدا نے چاہا تو آپ کو جابر دشمنوں سے نجات مل جائے گی۔"

اب ہم لوگ آڑ میں ہو گئے اور باتیں کرنے لگے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں ان کی ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ہوں چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ لیکن میری دو شرطیں ہیں۔ اس پر جہاز کا کپتان بولا کہ اگر آپ دشمنوں سے چھین کر میرا جہاز اپنے قبضہ میں کرلیں تو بھی میں تیار ہوں، مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔

میں نے کہا کہ میری پہلی شرط یہ ہے کہ جتنے روز آپ لوگ میرے ٹاپو میں رہیں گے میرا کہنا مانیں گے اور جو میں ہتھیار دوں گا وہ میری مرضی کے بغیر استعمال نہ کریں گے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ اگر میں جہاز دلوانے میں کامیاب ہو جاؤں تو مجھ کو اور میرے خادم کو بغیر کرایہ لیے انگلستان تک پہنچا دیں گے۔

جہاز کے مالک نے قسم کھا کر کہا "یہ ساری شرطیں ہمیں دل و جان سے منظور ہیں۔ ہم بغیر آپ کی مرضی کے کوئی کام نہ کریں گے اور جہاز قبضہ میں آجانے پر بہت آرام کے ساتھ آپ کو انگلستان پہنچا دیں گے۔"

میں نے مشورہ دیا کہ اس وقت دشمن غافل ہیں اور درختوں کے نیچے پڑے سو رہے ہیں، بہتر ہوگا کہ ان پر حملہ کر کے موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے لیکن جہاز کے مالک نے کہا کہ وہ صرف دو بدمعاشوں کو مارنا چاہتا ہے۔ باقی لوگ خود بخود سیدھے راستہ پر آجائیں گے۔

جہاز کے کپتان نے مجھ سے بندوق لی اور کمر میں طمنچہ لگایا اور اپنے دونوں ساتھیوں کو لے کر دشمنوں کی گھات میں چل دیا۔ جب وہ دشمنوں کے قریب پہنچے تو دو بڑے بدمعاشوں کا نشانہ لے کر بندوق چھوڑی۔ ایک تو اسی وقت مرگیا اور دوسرا زخمی ہو کر تڑپنے لگا۔ اور اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے پکارنے لگا۔

اس وقت کپتان نے کہا: "اے بدبخت اس وقت دوسروں سے مدد مانگنا بے کار ہے۔ اب تیرا وقت آگیا تو خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔" یہ کہہ کر بندوق کا

کندہ اس کے سر میں مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

تین آدمی وہاں اور تھے ان میں سے ایک زخمی ہو گیا تھا اور دو بہت خوفزدہ تھے۔ اسی وقت میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ میری صورت دیکھ کر وہ اور سہم گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ اب ان کا بچنا مشکل ہے اس وقت وہ لوگ گڑگڑانے لگے اور زندگی کی بھیک مانگنے لگے۔ تب کپتان نے کہا:

"تم لوگوں نے جو جرم کیا ہے اس کی تو یہی سزا ہے کہ تم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے لیکن تم کو اسی شرط پر معاف کیا جا سکتا ہے کہ تم سچے دل سے وفادار رہنے کی قسم کھاؤ اور جمیکا تک جہاز پر ہمارے ساتھ رہو۔"

ان لوگوں نے بہت قسمیں کھائیں اور منت سماجت کی اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا تب کہیں جا کر ان کی جاں بخشی کی گئی۔ میں نے یہ مشورہ دیا کہ جب تک وہ اس جزیرہ میں رہیں ان کو ہاتھ پیر باندھ کر رکھا جائے۔

ملاحوں میں سے تین آدمی جو جنگل میں گھوم رہے تھے، بندوق چلنے کی آواز سن کر ادھر آئے اور جب انھوں نے دیکھا کہ جہاز کا کپتان فتح مند ہو گیا ہے تو خوف کے مارے انھوں نے بھی اطاعت قبول کرنے میں ہی اپنی خیریت سمجھی۔ وہ جو دو آدمی کشتی میں پڑے تھے ان کو ہم نے آسانی کے ساتھ قابو میں کر لیا تھا۔

میں نے جہاز کے کپتان اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رام کہانی سنائی اور اس جزیرے میں آنے سے لے کر اب تک کے سارے حالات بیان کیے۔ وہ میری مصیبت اور تنہائی کی داستان سن کر تعجب کرنے لگے اور جہاز کا کپتان تو مجھ سے لپٹ کر رونے لگا۔

میں ان کو اپنے گھر لے گیا اور کھانا پیش کیا۔ میں نے ان کو وہ ساری چیزیں دکھلائیں جو میں نے بنائی تھیں یا اکٹھا کی تھیں۔ میں نے بکریوں کا باڑا، کھیت، درخت، جو میں نے

لگائے تھے، اور غار بھی دکھلایا، وہ یہ سب دیکھ کر حیرت کرتے تھے۔

کپتان بار بار میرا شکریہ ادا کرتا تھا اور نہایت خاک ساری کا اظہار کرتا تھا۔

جہاز قبضہ میں آنا اور میرا جزیرہ سے رہائی پانا؛

اب یہ مسئلہ تھا کہ جہاز کو کس طرح اپنے قبضہ میں کیا جائے، جہاز پر اس وقت چھبیس[26] آدمی تھے اور وہ سب کے سب باغی اور دشمن تھے۔ کپتان بہت پریشان تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

میں نے کہا کہ جب اُن کے ساتھی جہاز تک نہ پہنچیں گے تو وہ لوگ یقیناً ان کی تلاش میں باہر نکلیں گے۔ ہم اس وقت ان سے نپٹ لیں گے۔

ہم لوگوں نے اُس کشتی کا سارا سامان جس پر وہ لوگ آئے تھے اُتار کر اس میں ایک بڑا سا سوراخ کر دیا تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ اگر ہم خدانخواستہ جہاز حاصل کرنے میں ناکامیاب رہیں تو یہ کشتی ہمارے پاس ہی رہے اور اس کی مرمت کر کے کسی وقت یہاں سے نکل سکیں۔

اسی وقت جہاز پر سے توپ چلنے کی آواز آئی اور جہاز کا جھنڈا بھی چڑھا دیا گیا، یعنی اب جہاز روانگی کے لیے بالکل تیار تھا۔ یہ ملّاحوں کے لیے بلاوا تھا۔ کئی بار توپ چھوڑی گئی لیکن یہاں سے کوئی نہ جا سکتا تھا۔ جب بہت دیر تک یہاں سے کوئی نہ گیا تو ایک کشتی جزیرے کی طرف آتی ہوئی دکھائی پڑی۔ ہم نے سارے قیدیوں کو دور جنگل میں قید کر رکھا تھا۔ جہاں نہ تو کوئی پہنچ سکتا تھا اور نہ ہی آواز جا سکتی تھی۔ صرف ان دو آدمیوں کو جن پر جہاز کے کپتان کو اعتبار تھا، ان کو ہم نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔

جو لوگ جہاز پر سے اپنے ساتھیوں کی تلاش میں آئے تھے وہ کشتی کے قریب آکر مُڑ کے خالی اور ٹوٹی ہوئی کشتی کو دیکھ کر اُن کے چہرے اُتر گئے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو زور زور سے پکارنے لگے۔ لیکن ان کی پکار کا کوئی بھی جواب نہیں ملا، کیوں کہ ان کے ساتھی تو

ہماری قید میں تھے۔ جہاں تک ان کی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ تب ان سبھوں نے ایک گول سا گھیرا بنا کر ایک ساتھ بندوقیں چھوڑیں۔ جب ان کو کوئی جواب نہ ملا اور کہیں کوئی نظر نہ آیا تو وہ مایوس ہو گئے اور اپنی کشتی پر بیٹھ کر واپس جانے لگے۔

یہ دیکھ کر کہ وہ اب ہمارے ہاتھوں سے نکلے جا رہے ہیں ہمیں بہت افسوس ہوا۔ لیکن تھوڑی دور جا کر ان لوگوں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور پھر کنارے پر اپنی کشتی لے آئے۔ ان میں سے تین آدمی تو کشتی پر بیٹھے رہے اور سات جزیرے میں اپنے ساتھیوں کی تلاش میں نکل آئے۔ کشتی پر بیٹھے ہوئے آدمیوں نے یہ کیا کہ کشتی کو کنارے سے دور لے جا کر گہرے پانی میں کھڑا کر دیا، اس لیے ہمارا ان تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔

وہ ساتوں آدمی اِدھر اُدھر گھوم پھر کر، اور اپنے ساتھیوں کو نہ پا کر مجبوراً کشتی کے پاس آ گئے۔ اب ان کا ارادہ بالکل واپس جانے کا تھا۔ یہ دیکھ کر جہاز کا کپتان بہت مایوس ہوا، کیوں کہ اب جہاز حاصل کرنے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی تھی۔

میں نے اسے تسلی دی اور ایسی ترکیب کی کہ وہ لوگ واپس نہ جائیں۔ جہاز کے نائب کپتان اور جمن سے میں نے کہا کہ وہ نالے کے اس پار جا کر ان لوگوں کو پکاریں۔ یہ آواز سن کر وہ ساتوں آواز کی طرف لپکے۔ چوں کہ اس وقت نالے میں پانی چڑھا ہوا تھا۔ اس لیے وہ بغیر ناؤ کے اسے پار نہیں کر سکتے تھے، ناؤ کو بھی اُدھر لے آئے۔ اس سے ہمارا مقصد حل ہو گیا۔ کشتی کو ایک پیڑ سے باندھ کر اور دو آدمیوں کو نگرانی کے لیے چھوڑ کر وہ سب نالے کے دوسری طرف آگے کو بڑھ گئے۔

جمن اور نائب کپتان نے میری بتائی ہوئی ترکیب کے مطابق ان لوگوں کو آوازیں دے دے کر اِدھر اُدھر خوب دوڑایا اور ایسے راستہ پر لگا دیا کہ وہ بھٹک گئے اور راستہ بھول گئے۔ اور جب وہ واپس آئے تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ ہم لوگوں نے کشتی پر بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔

جب وہ لوگ واپس آئے تو تھک کر چُور چُور ہو چکے تھے اور خوف زدہ بھی تھے۔ جب انھوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کشتی پر نہ پایا تو اور بھی پریشان ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس ٹاپو میں ضرور بھوت رہتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کو گھبرا کر پکارنے لگے، لیکن کوئی جواب نہ پا کر دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ کبھی وہ کشتی پر جا کر بیٹھ جاتے کبھی اتر کر اِدھر اُدھر چلنے پھرنے لگتے۔

جب خوب اندھیرا گھپ ہو گیا تو ہم نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ زیادہ لوگ مارے جائیں، کیوں کہ ان لوگوں کے پاس بھی ہتھیار تھے۔ ہمارے آدمی بھی لڑائی میں مارے جا سکتے تھے۔ ہم لوگ بہت خاموشی سے ان کے قریب پہنچے اور جہاز کے مالک نے ملاحوں کے باغی سردار اور اس کے قریبی ساتھی کو بندوق سے مار ڈالا۔ وہ دو آدمی جو کشتی پر رکھوالی کر رہے تھے اور جو اب ہمارے قبضے میں تھے ہم نے ان سے کہا کہ وہ ان لوگوں کو نام بنام پکار کر کہیں کہ بہتری اسی میں ہے کہ صلح کر لو ورنہ سب کے سب مارے جاؤ گے۔

وہ سب اتنے خوف زدہ تھے کہ ہتھیار پھینک کر فوراً ہماری تابع داری قبول کرنے پر راضی ہو گئے۔ اس وقت جہاز کا کپتان بولا: "تم سب کو معافی دی جا سکتی ہے لیکن وِل ایٹکن کو نہیں۔"

وِل ایٹکن نام کا آدمی یہ سُن کر بہت گھبرایا اور بولا: "جب سب کو معافی دی جا رہی ہے تو مجھے کیوں نہ دی جائے، جو میرا قصور ہے وہی دوسروں کا ہے۔"

جہاز کے کپتان نے غصّے سے کہا: "کم بخت تو نے ہی میرے ہاتھ پیر باندھے تھے اور مجھے گالیاں دی تھیں۔"

قیدیوں کے ہاتھ پیر باندھ دیے گئے۔ میں اس وقت تک ان لوگوں کے سامنے نہیں آیا تھا۔ کپتان نے ان کو خوب ڈرایا دھمکایا کہ ان کو کرتوتوں کی سزا ضرور ملے گی۔

اور یہ کہ یہاں کا حاکم انگلستان کا ہی باشندہ ہے اگر وہ چاہے تو سبھوں کو پھانسی دے سکتا ہے، لیکن وہ سب کو انگلستان بھیج دے گا وہاں بغاوت اور جہاز چھیننے کے جرم میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ اور وہاں پھانسی کی سزا ہو گی۔

یہ سُن کر سب قیدی بہت گھبرائے اور گڑ گڑا کر جہاز کے کپتان کی منت سماجت کرنے لگے کہ وہ حاکم سے ان کی سفارش کر کے ان کی جان بچائے۔

جہاز کا کپتان بولا کہ اب ان لوگوں کی جان بچنے کا صرف ایک ہی راستہ رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ سب لوگ وفادار رہنے کی قسم کھائیں اور جہاز پر قبضہ دلانے میں اس کی مدد کریں۔

یہ سن کر سب قیدی قسمیں کھانے لگے کہ وہ زندگی بھر جہاز کے کپتان کے وفادار رہیں گے اور اس کا ہر حکم مانیں گے، اور جہاز پر قبضہ دلانے میں اس کی ہر ممکن مدد کریں گے۔ اس پر جہاز کے کپتان نے کہا کہ وہ یہاں کے حاکم سے ان کی سفارش کرے گا اور اسے اُمید ہے کہ حاکم اس کی سفارش مان لیں گے۔

جہاز کے کپتان نے مجھ سے سارا ماجرا بیان کیا، میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ قیدیوں میں سے اپنے اعتبار کے صرف پانچ آدمی چُن لے اور باقی قیدیوں سے کہہ دے کہ وہ لوگ حاکم کی قید میں رہیں گے، اگر ان پانچ آدمیوں نے ٹھیک ٹھیک کام کیا تو باقی سب کی بھی رہائی ہو جائے گی اور اگر ان لوگوں نے دھوکا دینے کی کوشش کی تو پھر کسی کی خیر نہیں۔

جہاز کے کپتان نے میرے کہنے کے مطابق عمل کیا اور ان میں سے پانچ آدمیوں کو چُن لیا، اس کے علاوہ خود جہاز کا کپتان، نائب کپتان اور ان کا ساتھی مسافر اور پانچ اور آدمی ساتھ کر کے میں نے سب کو روانہ کیا۔ جہاز کے کپتان کو میں نے تاکید کی کہ وہ بہت ہوشیاری سے کام کرے۔ میرا اور جُمن کا رہنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ

قیدیوں کی دیکھ بھال اور کھانا پانی دینے والا کوئی دوسرا نہ تھا۔

ٹوٹی ہوئی کشتی کے پیندے کو درست کر دیا گیا تھا، دوسری کشتی پر تھوڑا سامان کھانے پینے کا بھی رکھ دیا گیا تھا۔ ایک کشتی میں چار آدمی تھے۔ اس کو کپتان کے ساتھی مسافر کی نگرانی میں دے دیا گیا تھا۔ دوسری کشتی میں کپتان، نائب کپتان اور پانچ آدمی اور تھے، یہ سب اپنے فرائض بہ خوبی انجام دے رہے تھے۔

آدھی رات کے وقت یہ کشتیاں جہاز کے قریب پہنچیں۔ رابنسن نے جہاز کے لوگوں کو پکارا اور ان سے باتیں کرنے لگا کہ اپنے ساتھیوں کی تلاش میں اتنا وقت لگ گیا، وہ لوگ نہیں ملے اور وہ ان کی کشتی لے آیا ہے۔ اس طرح جہاز کے باغی ملاحوں کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہوا۔ اور جب دونوں کشتیاں جہاز کے بالکل قریب پہنچ گئیں تو سب لوگ جہاز کے اوپر چڑھ گئے اور سب سے پہلے ملاحوں کے باغی سردار کے خاص آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا اور انھیں باندھ دیا گیا۔ اور جس جگہ باغی سردار سو رہا تھا وہاں جا کر اسے ختم کر دیا۔ اس کی حفاظت کے لیے تین آدمی مقرر تھے انھوں نے مقابلہ کیا۔ اس جھڑپ میں نائب کپتان کے بازو میں گولی بھی لگی اور دو آدمی زخمی بھی ہوئے، باغیوں کے سردار کے مرجانے کے بعد کسی نے مزاحمت نہ کی اور جہاز آسانی کے ساتھ قبضہ میں آگیا۔

میں نے کپتان سے کہہ دیا تھا کہ جس وقت جہاز قبضہ میں آجائے اس وقت سات توپیں چھوڑے تاکہ مجھے معلوم ہو جائے۔ میں توپ کی آواز سننے کے لیے سمندر کے کنارے بیٹھا تھا۔ رات کے دو بجے میں نے توپوں کی آواز سنی۔ مجھے بہت خوشی ہوئی اور خدا کا شکر ادا کیا۔

صبح جب میری آنکھ کھلی تو میرے سامنے جہاز کا کپتان کھڑا تھا۔ اور قریب ہی جہاز بھی لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ میں نے اتنے قریب جہاز کو دیکھا تو محسوس کیا کہ جیسے اب میری

رہائی کا وقت قریب آگیا ہے۔ میں نے ایسی خوشی محسوس کی کہ مارے خوشی کے بے ہوش سا ہوگیا۔

جب ہوش آیا تو جہاز کے کپتان نے مجھے گلے سے لگالیا اور بولا: "یہ جہاز آپ ہی کا ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ بھی آپ کا ہے۔ آپ ہی کی وجہ سے مجھے یہ دوبارہ مل سکا ہے۔"

کپتان نے مجھے تحفے میں بہت ساری چیزیں پیش کیں اور پہننے کے لیے عمدہ سا لباس دیا۔ میں نے یادگار کے لیے اپنا تو تا چمڑے کی چھتری اور ٹوپی وغیرہ اپنے ساتھ لی اور اللہ کا نام لے کر اس جزیرے کو الوداع کہا۔

اس طرح میں اس ویران جزیرہ میں اٹھائیس سال دو ماہ اور انیس دن رہ کر ۱۶۸۶ء میں دسمبر کی ۱۹ ریں تاریخ کو روانہ ہوکر اور پینتیس سال اپنے وطن سے دُور رہ کر ۱۱ رجون ۱۶۸۷ء کو انگلستان پہنچا۔